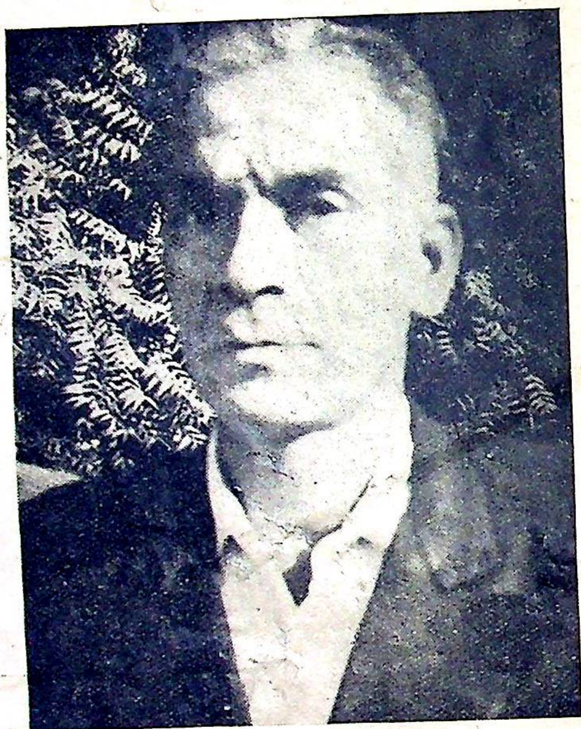
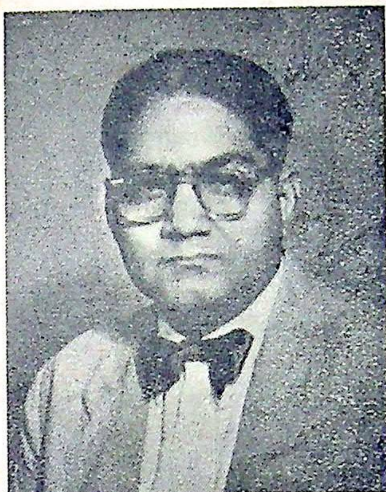


پروفیسر بخشی اختر امرتسری

جنہوں نے ایک شمعِ مُردہ کو از سرِ نو روشنی بخشی

مغموم



برادرِ محترم جناب راج۔ کے۔ چاولہ





یہ سمجھتے ہوئے بھی ہوں مغموم
زندگی غم ہی غم نہیں ہوتی



انتساب

برادرِ محترم کے نام

جن سے مجھے بھائی کا پیار بھی مِلا

اور

باپ کی شفقت بھی

معمومؔ

شعرِ امین

انتخابِ غزلیات

پنڈت سروپ نارائن راز دان بی۔ اے

المتخلص بہ

امین امرتسری

مؤلفہ و مرتبہ

مغموم دہلوی

دار الادب [illegible] رونق

۱۲۳۹/۱۲ شورہ گلی، سوہن گنج، سبزی منڈی دہلی

بارِ اوّل

ماہ جون ۱۹۶۳ء

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں طبع ہوئی

عرضِ حال

اُستاد الاساتذہ پنڈت سروپ نارائن صاحب رازدان بی، اے المتخلص بہ ایمنؔ امرتسری کا شمار دورِ حاضر کے ان چند ممتاز شعرا میں ہے۔ جن کی علمی اور ادبی خدمت پر اہلِ علم جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔ افسوس ہے کہ اس گنجینۂ علم و ادب نے اپنے کلام کی نشر و اشاعت کی طرف ذرا بھی توجہ نہ دی۔ اور مثل تلسی داس کے جو کچھ بھی کہا (स्वान्त: सुखाय) صرف اپنے تسکین قلب کے لئے کہا جس کے نتیجہ میں ان کے ادبی جواہر پاروں کے گلدستہ کی خوشبو اس مشک کے مانند جس کو ہرن کے نافہ سے باہر نکلنے کا موقع نہ مل سکا ہو کھٹکر کر ان کے ان مخصوص احباب اور قدردانوں تک رہ گئی جو ان کے بہت قریب تھے۔

میری خوش قسمتی سمجھئے کہ استاذی پروفیسر بخشی اخترؔ امرتسری کی وساطت سے مجھے بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ میں نے آپ کی ذات میں نہ صرف ایک عظیم صوفی، مفکّر، شاعر اور انسان کو دیکھا بلکہ آپ کے زیر سایہ شعر کہنے اور شعر سمجھنے کا سلیقہ حاصل کرنے کی سعادت بھی حاصل کی۔

ایک مدت سے میرے دل میں یہ تمنا پرورش پا رہی تھی کہ آسمانِ ادب کے اس نجم درخشاں کی ادبی نور پاشیوں اور فنّی ضیا باریوں کو شائع کر کے تشنگانِ علم و ادب کی پیاس بجھانے کا سامان مہیا کر سکوں۔ چنانچہ میں نے اور میرے خواجہ تاش بھائیوں جناب عابدؔ پشاوری، سلیمؔ خانپوری، باقیؔ دہلوی اور بسملؔ امرتسری وغیرہم نے اس سلسلے میں آپ سے استدعا کی۔ اور آپ نے بہ کمال مہربانی و شفقت ہماری درخواست قبول فرماتے

ہوئے اپنی کچھ اُردو غزلیات بغرض اشاعت ہمیں عطا فرمائیں۔

حضرتِ ایمن کے کلام کے متعلق رائے قائم کرنے کا فیصلہ میں قارئین ہی پر چھوڑتا ہوں کیونکہ اس سلسلے میں اگر میں کچھ کہوں تو "چھوٹا منہ بڑی بات" والی کہاوت صادق آئے گی۔

اربابِ نظر سے گذارش ہے کہ وہ اس مختصر مجموعہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار مندرجہ ذیل پتہ پر کریں تاکہ نشر و اشاعت کے اس سلسلہ کو جاری رکھا جا سکے۔

مغموم دہلوی

ڈی ۲۳۷ - ویسٹ پٹیل نگر

نئی دہلی ۱۲

پیش لفظ

عالی جناب علامہ بشیشور پرشاد منور لکھنوی

نقد و تبصرہ کی حد یا قدریں کتنی ہی سائنٹیفک کیوں نہ ہوں۔ مجھے ان میں ایک کمی محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ ہے نقاد کی فرعونانہ ذہنیت کا اظہار، نقادیں علم و بردباری کا فقدان۔ وہ نقاد کی مسند پر بیٹھ کر خود کو داور محشر کی طرح ہر قسم کے جائز و ناجائز اختیارات کا مالک سمجھنے لگتا ہے۔ اس کو اپنی عقل کے آگے دوسروں کی فہم و دانش کوئی مال نہیں نظر آتی تو وہ اپنے فیصلہ کو حرفِ آخر سمجھ کر زیرِ تنقید ادب پر جو دل میں آتا ہے، لکھتا چلا جاتا ہے۔ اس میں لچک اور نرمی نام کو نہیں ہوتی۔ میں ایسے تنقید و تبصرہ کا قائل نہیں تنقید اپنی جگہ پر تنقید رہ کر بھی کچھ اخلاقی قدروں کا احترام کر سکتی ہے۔ اسی لئے میرا خیال ہے کہ نقد و تبصرہ کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ نقادیں مشرق کے روایتی تہذیب و اخلاق کا ہونا بھی ضروری ہے جس کو مزعومات سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔

پنڈت سروپ نارائن راز۔ ان کے کلام کا یہ مجموعہ شعر ایمن کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ شعر ایمن کے بارے میں اپنے تاثرات میں بھی پیش کروں۔

ایمن صاحب کی شخصیت میری نظر میں بہت بزرگ اور محترم ہے۔ اس لئے مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اُن کے ایسے پختہ کار اور صوفی منش نے مجھے بھی اس قابل سمجھا کہ میں اُن کے کلام پر کسی قسم کا اظہارِ خیال کروں۔ کچھ اپنی طرف دیکھا کچھ بزرگِ محترم کے ارشاداتِ عالیہ

کی طرف ۔ ان کا مجھے شعر ایمن کے لئے اظہار رائے کے لیے حکم دینا محض ان کی بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ میری یہ ہمت کہاں کہ ان کے کلام گرامی کے متعلق لب مدعا کو جنبش دے سکوں ۔ دراصل میرے لئے یہ نہایت خوش قسمتی اور فخر کا موقع ہے کہ میں بھی شعر ایمن کے سلسلے میں لب کشائی کی جرأت کر رہا ہوں ۔

"شعرِ ایمن" اور اس کے قابل و محترم مصنف پنڈت سروپ نارائن رازدان سے میرا یہ اتفاقی تقرب اپنے دامن میں نہ جانے کتنی گزشتہ روایتیں لیے ہوئے ہے۔ اس وقت مجھے ۱۹۱۷ء اور ۱۹۱۸ء کا وہ زمانہ یاد آرہا ہے۔ جب لاہور کے رسالہ ترجمان میں جو میرے مرحوم بزرگ دوست لالہ تیرتھ رام فیروزپوری کی زیر ادارت شائع ہوتا تھا۔ میرا کلام شائع ہوتا تھا۔ میلا رام وفا بھی لکھتے تھے، اور حضرت ایمن بھی اس کو اپنی نوازشات سے فیضیاب کیا کرتے تھے۔ ایمن صاحب ہم دونوں سے سینئر تھے ۔ انھوں نے میرے والد مکرم مرحوم ملک الشعراء منشی دوارکا پرشاد افق لکھنوی کو دیکھا ہے۔ ایمن صاحب میرے والد کے عقیدتمندوں میں ہیں۔ میں ان دنوں بہت کمسن تھا لیکن میری موزوں طبعی کے نمونے آئے دن لکھنؤ اور پنجاب کے بعض نامی اخباروں اور رسالوں میں شائع ہونے لگے تھے ۔ اس لئے جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ایمن اور والد مرحوم کسی زمانہ میں ایک دوسرے کے قریب رہے ہیں تو میری مسرت کی حد نہیں رہی اور میرے دل میں حضرت ایمن کے لئے اور بھی زیادہ جذبۂ احترام پیدا ہو گیا۔

"شعر ایمن" مجھے حضرت ایمن کے شاگرد رشید شوری لال صاحب اختر امرتسری کے توسل سے دیکھنے میں آیا۔ کچھ ہی غزلوں کے مطالعہ سے مسرور و مستفید ہوا تھا کہ میں دفعتاً آج سے ۲۲ - ۲۳ سال قبل کے اس پرکیف ماحول میں پہنچ گیا جو دہلی میں حضرت علامہ پنڈت امرناتھ ساحر، ان کے چھوٹے بھائی پنڈت دینا ناتھ متحیر، رضا لقصیب منشی سورج نارائن مہر اور پنڈت برج کشور زنشتی کی صوفیانہ شاعری سے پیدا ہو چکا تھا۔ حقیقت اور معرفت کی شاعری کے ایک مقتدر علمبردار پنڈت جواہر ناتھ ساقی کول دہلوی بھی تھے۔ میں نے انھیں

نہیں دیکھا۔ ان کا مطبوعہ دیوان ایک کباڑی کے ذریعہ ہاتھ آگیا تھا۔ ساقی، ساحر اور معجز ان تینوں بزرگوں نے ہندو فلسفہ کی برکات سے اردو ادب کو مالا مال کیا۔ ساحر صاحب اور معجز صاحب فارسی میں بھی کہتے تھے لیکن پنڈت برج کشور زتشی کا کلام تو کلیتاً فارسی ہی میں ہوتا تھا۔ غزل کے اسلوب میں یہ سب بزرگ ہم تک ویدانت اور تصوف کا پیغام پہنچاتے تھے۔

وہی ماحول ایک مرتبہ پھر شعرِ ایمن کے مطالعہ سے میری نگاہوں کے سامنے بکھر رہا ہے۔ شعرِ ایمن میں بھی پیمانہ غزل کا ہے اور شراب معرفت اور حقیقت کی۔ تمام دیوان اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ روحانیت ہر شعر میں سموئی ہوئی ہے۔

بالعموم اردو شعرا میں غزل گوئی کے دو اسکول پائے جاتے ہیں۔ ایک اسکول اگرچہ اب گفتگو با زناں کی حدوں سے تو بلند ہو گیا ہے۔ پھر بھی تغزل کے علاوہ وہ غزل کے ذریعہ اور کچھ سننا نہیں چاہتا۔ جب غزل کے علاوہ کچھ کام کی باتیں غزل یا نظم کے ذریعہ کہی جاتی ہیں تو وہ بہرا ہو جاتا ہے۔ دوسرے طبقے والے غزل یا نظم کو ہر قسم کے اظہارِ خیال کے لئے کام میں لاتے ہیں۔ بالخصوص غزل ہی کے اسلوب میں وہ آپ بیتی یا جگ بیتی کے افسانے سناتے ہیں۔ ان کی نظر میں غزل ایک لامحدود کائناتی نقار خانہ ہے جس کے ذریعہ ہم ہر قسم کے جذبات کی عکاسی کر سکتے ہیں یہ اسکول غزل کو تصوف کی چاشنی بھی دیتا ہے۔ غزل کے ایک ایک شعر میں ہزاروں روحانی نکات بکھیر دیتا ہے۔ اور حقیقت و معرفت کے باریک ترین رموز کی عقدہ کشائی کرتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خالص تغزل پسند حضرات کو غزل میں تصوف کی چاشنی کیوں گراں ہے۔ گفتگو با زناں کرنے والے گفتگو با خدا سے کیوں گھبراتے ہیں کیونکہ یہ تصوف کی شاعری بھی تو بہرحال انسانی جذبات کی ہی ترجمانی ہے۔

حضرتِ ایمن کے اظہارِ خیال کا آلہ بھی غزل ہے لیکن اس میں جتنی گفتگو ہے وہ گفتگو با خدا ہے۔ جب ہم ان کے کلام کے مطالعہ سے محظوظ ہوتے اور اس کی سرمستیوں میں بعض مرتبہ گم ہو جاتے ہیں تو یقیناً یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ہم شمس تبریز، مولانا روم، حافظ، عطار اور عمر خیام کے

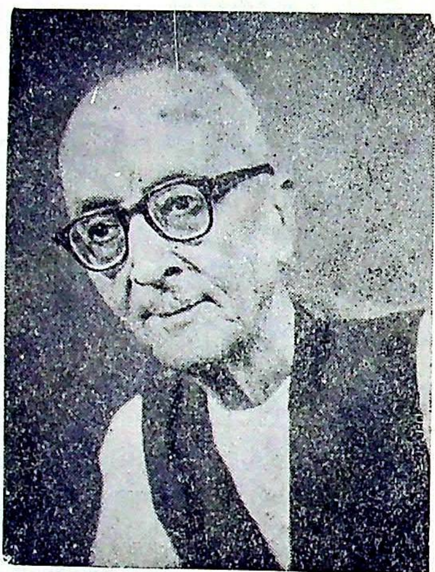
دور سے گذر رہے ہیں۔ عمیق سے عمیق روحانی نکات اردو زبان کی دلکش اور دلآویز خصوصیات کے ساتھ حضرت آیمنؔ کے قلم سے وارد ہوئے ہیں۔ ان کے کلام کی روحانی بلندی ہمیں اُڑا کر اس مقام پر پہنچا دیتی ہے۔ جہاں گفتگو بازناں کے قائل غزل گو شاعروں کی رسائی قیامت تک ممکن نہیں اور جس کے لئے غالب نے کہا تھا کہ ؎

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

خرابی صحت کے باعث شعر آیمنؔ کا تمام وکمال مطالعہ کرنے سے معذور رہا لیکن جس قدر کلام میری نظر سے گذرا ہے۔ اس کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ اُردو ادب کیلئے مایۂ ناز ہے۔ اس مادّی دور میں رُوحانی قدروں کا لاکھ فقدان ہو۔ یہ قدریں کبھی فنا نہیں ہو سکتیں اور اگر اُردو میں میرؔ، خواجہ دردؔ، مرزا غالبؔ اور خواجہ آتشؔ کا متصوفیانہ کلام صدیوں زندہ رہ سکتا ہے تو یقیناً آیمن صاحب کے اس کارنامے کو بھی بقائے دوام کا مستحق ہونا چاہیئے۔

صفحات کی تنگ دامانی اجازت نہیں دیتی کہ میں شعر آیمنؔ کے کچھ نمونے اخذ کر کے خاص طور پر پیش کروں اور اُن کے صوری اور معنوی محاسن پر روشنی ڈال کر حضرت آیمنؔ کی شاعرانہ صلاحیتوں اور ہندو فلسفہ پر ان کے عبور کا ثبوت پیش کروں۔ تاہم میرے ان چند الفاظ کا ماحصل یہی ہے کہ شعر آیمنؔ حضرت رازؔ دواں کی ایک معیاری تخلیق ہے اور متصوفانہ ادب اس پہ جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔

بشیشور پرشاد منوؔر
۲۶-۱۵۲۸ - فیض بازار - دریا گنج - دہلی
۱۳ مئی ۱۹۵۱ء

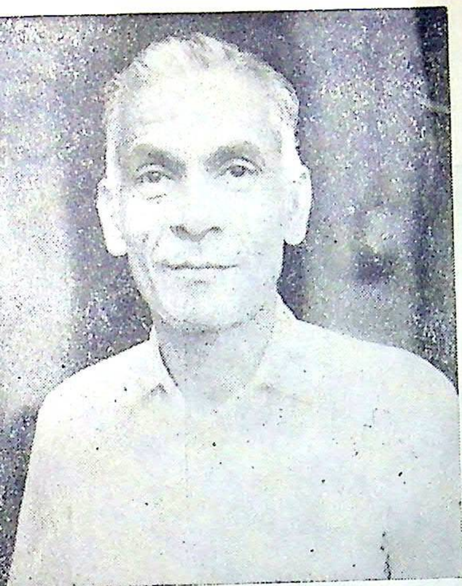


اُستادُ الاساتذہ

پنڈت سروپ نارائن راز دان بی اے

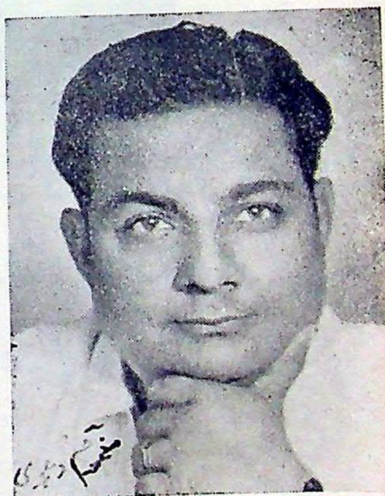
ایمن امرتسری

جے اندر گنج (ولادت :- اگست ۱۸۷۸ء) لشکر - گوالیار



اُستاذی
پروفیسر بخشی اختر
امرتسری

مؤلف و مدیر
مغموم دہلوی



آراء

رائے عالی جناب پروفیسر ناؤک چند محروم

جناب ایمن امرتسری کی غزلیات کا مجموعہ میرے سامنے ہے مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ اس پر اپنی رائے قلم بند کردوں۔

یہ تمام تر متصوفیانہ کلام ہے۔ ان کا یہ قول عین برمحل ہے کہ

غزل میں رنگِ تغزل کی دھوم ہے ایمن
مگر ہے خوب مجھے رنگِ صوفیانہ پسند

اور میں تصوّف کے کوچہ سے سراسر نابلد ہوں۔ میرے لئے اس موضوع پر لب کشا ہونا چھوٹا منہ بڑی بات کے مترادف ہوگا۔ لیکن شعر و شاعری سے دیرینہ تعلقات کی بنا پر میرا یہ عذر مسموع نہ ہوگا لہٰذا مختصراً اپنے تاثرات عرض کئے دیتا ہوں۔

حضرت ایمن امرتسری مشاق سخنور ہیں۔ غالباً ان کی شاعری کی عمر میری شاعری کی عمر سے بھی زیادہ ہے۔ انھوں نے اپنی غزلیات میں مسائلِ تصوّف اور نکاتِ معرفت پر طبع آزمائی کی ہے۔ یوں تو غزل کا ہر شاعر تصوّف کے باغ سے گل چینی کرتا ہے کیونکہ "تصوف برائے شعر گفتن خوب است" کا مقولہ شعراء میں مروّج ہے۔ لیکن جناب ایمن کا تصوّف برائے شعر گفتن نہیں بلکہ وہ میر درد دہلوی اور منشی سورج نرائن مہر دہلوی کی طرح عملاً صوفی ہیں۔ اور رموزِ معرفت کو شعر کے پیرائے میں جس خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ یہ انہی کا حصہ ہے۔

چونکہ مسائل تصوف کی تفہیم ہر شخص کے لئے آسان نہیں۔ ایمن صاحب نے تشریح طلب مقامات پر حاشیے میں، تشریحی نوٹ درج کرکے اُسے آسان بنا دیا ہے۔

جہاں تک شاعرانہ محاسن کا تعلق ہے کلام ایمن تعریف سے مستغنی ہے۔ وہ کہنہ مشق اور مسلم الثبوت صاحب فن ہیں مختلف خفیف اور طویل بحروں میں وہ دلکش نمونے پیش کئے ہیں کہ پڑھ کر طبیعت پھڑک اٹھتی ہے۔

فرماتے ہیں ؎

جوئے شیر اس دلِ سرگرم سے مانگی کس نے
پھر صدا تیشے کی آنے لگی کہساروں سے

ایک صوفیانہ مضمون کو مجازی تلمیح کے پردے میں کس خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔

اسی قبیل کا ایک اور شعر دیکھئے ؎

اے قیس ترے دل میں لیلائے تجلی ہے
صحرا میں دھرا کیا ہے۔ ویرانہ ہے ویرانہ

لفظ ویرانہ کی تکرار نے جو لطف پیدا کر دیا ہے۔ اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

ذیل کے شعر میں کس خوبی سے انسان کو اپنی فطرت اعلیٰ پر نظر رکھنے کی تلقین کی ہے ؎

نگہ رہے آسماں پہ تیری، ہے طائرِ عرشِ آشیاں تو
نظر میں جس کی زمین ہوگی وہی گرفتارِ دام ہوگا

پُرانے استادوں کی طرح مثالیہ شاعری کے نفیس نمونے بھی اس مجموعے میں بہ کثرت موجود ہیں۔ مثلاً ؎

نصیب ہوتے ہیں جلوے ہزار کاوش سے
اِسی سے سینۂ مشرق لہو لہو دیکھا

غرض ایسے ہی جواہرات گراں مایہ سے یہ گنجینۂ ادب بھرپور ہے جو حضرات ادب میں جذباتِ عالیہ اور رموزِ معرفت کے جویا ہیں۔ ان کی نظر میں "شعرائین" دیوانِ حافظ کی طرح رقیع و مقبول ہوگا انشاء اللہ

تلوک چند محروم
دہلی
یکم اگست ۱۹۶۱ء

تشریحات

حاشیئے میں دینے کی بجائے کتاب کے آخر میں درج کی گئی ہیں۔ قارئین نوٹ فرمائیں
(مغموم)

رائے عالی نواب سید حکیم احمد صاحب گوالیاری سابق وزیر گوالیار و پریذیڈنٹ بزم ادب گوالیار

پنڈت سروپ نارائن راز داں صاحب المتخلص بہ ایمن یہاں کے معزز روساء میں ہیں۔ عمر رسیدہ صوفی صفت بزرگ ہیں اور شعر و شاعری سے ذوق و شوق رکھتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ راقم الحروف پر بے حد کرم فرماتے ہیں۔

بارہا ممدوح کے کلام سے استفادہ کرتا رہا ہوں۔ حال میں مجھ سے ارشاد فرمایا، کہ احباب مجموعۂ کلام کی اشاعت پر مُصر ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک قلمی نسخہ عنایت ہوا اور حکم صادر ہوا کہ بسلسلہ اشاعت مجوزہ میں بھی نوعیتِ کلام سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کروں۔

عجز و نیاز کے ساتھ خدمتِ عالی میں عرض کیا گیا کہ بندہ شاعر ہے نہ صوفی اور نہ تبصرہ و نقد کی اہلیت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں تقریظ یا پیش لفظ یا تعارف ایسے شخص کی جانب سے ہونا چاہیئے جو مشہور ادیب سخن فہم اور نکتہ سنج ہو یا جس کی بات ملک بھر میں مقبول ہو۔ مجھ جیسا گمنام کیا اور اس کی رائے کیا؟ مگر میری کوئی معذرت قبول نہیں فرمائی گئی، اور بار ثانی تعمیل حکم کے لئے تاکید شدید صادر ہوئی چنانچہ ذیل میں جو کچھ عرض کرتا ہوں تعمیل ارشاد ہے اور اظہارِ عقیدت مندی۔

میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ جناب ایمن صاحب ایک بزرگ صوفی ہیں۔ اُن کی شاعری بھی متصوفیانہ ہے اور ان کا کلام بیّن طور پر اس امر کا شاہد ہے کہ جناب ممدوح 'ذات و صفات حسن' کے جلووں سے کس قدر ہم آغوش ہو رہے ہیں۔ 'ہمہ اوست' اور 'ہمہ از اوست' کے نظریات کا کوئی پہلو نہیں ہے جو ان کے اشعار سے ظاہر نہ ہوتا ہو۔

صاحب موصوف کے کلام کو سننے اور پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم ویدانتی

فلسفہ اور اپنشدی روحانیت سے استفادہ کر رہے ہیں ان سے زیادہ کسی کلام کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔

مجموعہ کلام کی ایک مخصوص خوبی یہ ہے کہ اگر شعر میں کوئی معنوی پہلو پنہاں ہے تو نثر میں بطور حاشیہ اسکی وضاحت بھی فرما دی گئی ہے تاکہ شعر کے ظاہری مفہوم سے گذر کر غایت شعر تک فہم کو رسائی ہو سکے۔ تصوف سے متعلق میری نظر سے دو کتابیں ایسی گذری ہیں جن میں خود مصنفین کی جانب سے اس طریق پر تشریحات کا التزام کیا گیا ہے۔ ایک غیر مطبوعہ قلمی نسخہ ایک صاحب کے کتب خانہ میں دیکھنے میں آیا جو رباعیات پر مشتمل ہے۔ حقیقت ذات مطلق کی اصطلاحی زبان میں طرح طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ وہی سمجھ سکتا ہے جو رمز و کنایہ سے واقف ہو اور جس کو تصوف کے نظریات اور اصطلاحات پر عبور حاصل ہو۔ لہٰذا مصنف رباعیات نے معنی کو واضح کرنے کے لئے نثری تشریحات بھی ہر رباعی کے تحت اضافہ کر دی ہیں۔ مگر ان کی زبان بھی اس قدر اصطلاحی ہے کہ ان کو عام فہم نہیں قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دوسری کتاب رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن صاحب کی مطبوعہ تصنیف ہے۔ صاحب موصوف نے "بھگوت گیتا" کے سنسکرت اشعار کے تحت اپنا منظوم اردو ترجمہ پیش کرنے کے علاوہ ان کی تشریح و توضیح نثری عبارت میں بھی فرمائی ہے۔ مگر جہاں فلسفیانہ اور متصوفیانہ خیالات کی تشریح کی نوبت آئی ہے۔ وہاں بھی وہی صورت ہے جو قلمی نسخے کی ظاہر کی گئی ہے۔ ہمارے ایمن صاحب کی تشریحات بالکل صاف اور سادہ ہیں اور آسانی کے ساتھ ذہنی مفہومات کی وضاحت کرتی ہیں۔

دست بدعا ہوں کہ آپ مکرم کے کلام کو خدائے تعالیٰ عام و خاص میں مقبول فرمائے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ نقد و نظر کی اہلیت سے محروم ہوں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ میں انداز بیان اور بندش و ترکیب الفاظ و عبارت سے متعلق کوئی بات کیوں پیش نہ کر سکا۔

حکیم احمد۔ لشکر گوالیار۔ ۲۶ جنوری ۱۹۶۱ء

قطعہ

تنگ سی وسعت غزل کی اور اِدھر
عشق و عرفاں کے مضامینِ بلند
جمع کرکے "شعرِ ایمن" میں اِنھیں
کردیا دریا کو اک کوزہ میں بند

(۱)

شعبدے بود و ہست کے ہیں جو نظر کی راہ میں
گو نہ فریبِ دید ہیں سب یہ مری نگاہ میں

حسن کی دینِ عام ہے یار کی جلوہ گاہ میں
انجم و مہر و ماہ میں برگ و گل و گیاہ میں

پائی گئی ہیں رحمتیں قرب و جوار آہ میں
عفو پناہ جو ملے، نالۂ بے پناہ میں

دل تو جہاں سے پھر گیا، آنکھ ابھی جلوہ بیں نہیں
راہ پہ ایک آگیا، ایک ابھی ہے راہ میں

جلوۂ عامِ حسن ہے، دیدہ فروز اہلِ دل
عرش پہ ہے کہاں خدا، لوگ ہیں اشتباہ میں

چشمِ نمود بیں کو کھول، دیکھ مری نگاہ سے
ذرّے ہیں آفتاب میں کوہ چھپے ہیں کاہ میں

حسنِ صبیح یا ملیح، رنگِ نقابِ یار ہیں
صبح ہے وہ سفید میں شام کو ہے سیاہ میں

عشقِ فغاں پسند بس! آہِ خموش کرکے دیکھ
عرش سے کھنچ کے آئیں گے اتنا اثر ہے آہ میں

سر کو جھکا دیا جہاں ، بن گیا آستاں وہیں
عجز کو آزما کے دیکھ یار کی بارگاہ میں

حسنِ طلب کے فیض سے پہنچا اس اوج پر جہاں
خم ہے سرِ نیازِ عشق یار کی جلوہ گاہ میں

بن گئے گوہرِ مراد پائے طلب کے آبلے
جن سے بہ شکلِ گُل ہوئے خارِ جنوں کی راہ میں

طالبِ عالمِ ثبات ، حدِّ مکاں سے دُور جا
گردشِ روزگار ہے ، گردشِ مہر و ماہ میں

امینؔ بے عمل نہ ڈر ، کام فروتنی سے لے
عذرِ گناہ عیب ہے عیب نہیں گناہ میں

(۲)

وہ حسین جلوہ بہ دوش ہے کوئی پردہ ہے نہ نقاب ہے
ترا پردہ ہے تری پردگی ، یہ حجاب تیرا حجاب ہے

تری چشمِ مست کے دور میں کوئی جام جامِ شراب ہے
جو ہے اہلِ دید وہ مست ہے جو ہے اہلِ دل وہ خراب ہے

جو تقاضا تھا تو وہ طور تھا، جو طلب تھی تو وہ ظہور تھا
نہ تقاضا ہے نہ طلب ہے اب نہ سوال ہے نہ جواب ہے

اسے ساتھ لے چلو رہبرو، کہ ذرا نئی ہے رہِ عدم
یہ سوارِ عمرِ رواں مرا، ہمہ راہ پا بہ رکاب ہے

اِسے کھیل سمجھا تو بچ رہا، نہ سمجھ سکا تو اُلجھ گیا
اسے آنکھ کھول کے دیکھنا، تری زندگی کا یہ خواب ہے

نہ ہے خوف اہل کتاب سے نہ ہراس اہل حساب سے
وہ کرم ہے میرے کریم کا نہ حساب ہے نہ کتاب ہے

کسی علم سے نہ اُسے غرض نہ کسی ادب سے ہے واسطہ
ترا ورد جس کا حساب ہے ترا حُسن جس کی کتاب ہے

دلِ پُر ہوس تجھے سیرِ ہستیٔ بے سکوں کی مجال کیا
کہ مثالِ موجِ رواں ہے یہ، تری چشم چشمِ حباب ہے

نہ اُلجھ نمائشِ دہر کے کبھی دامِ نقش و نگار میں
جو نگار ہے وہ پریدہ ہے جو ہے نقش، نقش بر آب ہے

وہی نور جس سے ہیں نور زن ہزاروں نیّر و مہر و ماہ
جو اسی کے سائے میں آ گیا فقط اس کو دید کی تاب ہے

بہ خلوصِ ایمنؔ بے نوا، اسی آستاں پہ جبیں جھکا
کوئی بے مُراد نہیں گیا، شہِ دو جہاں کی جناب ہے

(۳۰)

دل میں انھیں چھپائے ہیں وہ سرِ عام ہوں تو ہوں
صورتِ جلوہ ہائے طور طشت زبام ہوں تو ہوں

بُوالہوسانِ جرعہ کش، کیفِ سلیم سے ہیں دُور
مستِ مئے الست ہی مستِ مدام ہوں تو ہوں

یار کی قتل گاہ میں، باختۂ جانِ عشق ہی
خندہ بہ لب، کفن بہ سر، گرمِ خرام ہوں تو ہوں

زاہدِ خود پرست تو، خلد کی آرزو میں ہے
بادہ کشانِ بے خودی، تشنۂ جام ہوں تو ہوں

مالکِ ملکِ قاب ہے ایک وہاں کا خرقہ پوش
سارے یہاں کے تاجداروں کے غلام ہوں تو ہوں

واقفِ مدعائے عشق، شمع پہ جل گیا خموش
مدعیانِ بے خبر، طالب نام ہوں تو ہوں

راحتِ رنج دلطفِ غم، عقل کی راہ میں کہاں
عشق کی منزلوں میں ہاں ایسے مقام ہوں تو ہوں

ہوش و خرد سے بے خبر، رہبرِ راہِ یار ہیں
عقل کے پختہ کار ہی، عشق میں خام ہوں تو ہوں

چشم کو صرفِ دید رکھ، دامنِ دل بچائے جا
گلشنِ زندگی میں خار گام بہ گام ہوں تو ہوں

گیسو و خالِ یار کے بندِ حسیں میں قید ہو
زیرِ نگینِ حسن سبزدانہ و دام ہوں تو ہوں

ایمنِ دیدہ ور خموش، لب سے نہ کر بیان راز
نورِ کلیم طور میں طول کلام ہوں تو ہوں

(۴)

دو قالب ایک جاں ہو جائیں یہ ارمان تھا دل میں
تڑپ تھی اور کیا اے تیغِ قاتل خونِ بسمل میں

زرا مطلوب و طالب میں رہے حدِ ادب قائم
یہ جھگڑا اٹھا ہو اے پردہ در میں اور محمل میں

وفا کی راہ کے سالک ترا ہر گام ہے منزل
ترے نزدیک کچھ دوری نہیں ہے راہ و منزل میں

تری چشم کرم مجھ پر ستم ہے آج اے ساقی
نہ تھیں آسانیاں پہلے کبھی اس طور مشکل میں

خیالِ شکوہ بھی شکوہ ہے ہوش اے عاشقِ ناداں
زباں پر گر نہ آیا۔ تو نہ آیا، آگیا دل میں

بہ صد طوفاں بدوش آئے جو موج لے ناخدا آئے
کہاں ملتی ہے تیری ناخدائی قربِ ساحل میں

سراسر ہیچ ٹھہری ہوشیاروں کی وہ خودداری
کچھ ایسی مستیٔ کامل تھی تیری چشمِ غافل میں

نہ دیوانہ ہو حسنِ ظاہری کا اے دلِ ناداں
زوالِ ماہ پنہاں ہے عروجِ ماہِ کامل میں

مرا ایماں ہے بالاتر، تمیزِ کفر و ایماں سے
جسے سمجھا ہے تو معراج زاہد زعمِ باطل میں

کجا مرغِ سحر شیلون، کجا یہ ضبطِ پروانہ
وہ لب پر آگیا دل سے یہ لب سے آگیا دل میں

یہاں ہے شمع، شمعِ طور، پروانہ کلیم آئین
عجب شانِ نیاز و ناز ہے الفت کی محفل میں

(۵)

ستم ستم کو سمجھ نہ اے جاں ستم کرم ہے ستم نہیں ہے
ابھی کمی تیرے ذوق میں ہے ابھی تجھے قدرِ غم نہیں ہے

جفا کا کر دل سے خیر مقدم یہاں جفا و وفا ہیں توام
کرم کا وہ مستحق نہیں ہے جو پاسدارِ ستم نہیں ہے

اگر جبیں ہے جبینِ مستاں تو ہر جگہ ہے حریمِ جاناں
جہاں ہے سجدہ وہ آستاں ہے نہ ہو جو دیر و حرم نہیں ہے

یقینِ کامل پہ ہو بھروسا یہی ہے رازِ نماز و تقوےٰ
جھکا جو سو بار جسم تو کیا اگر سرِ عجز خم نہیں ہے

حرم پہ ہیں شیخ کی نگاہیں تو دیر سے برہمن کی راہیں
کہیں نہیں ہے کہیں نہیں ہے جو قلب میں وہ صنم نہیں ہے

مسافرانِ رہِ محبت کو ایک جیسے ہیں رنج و راحت
قدم قدم پر شکست انکی نشاطِ منزل سے کم نہیں ہے

ازل سے چل کر ابد سے ملتا ہے جادۂ زندگی ہمارا
مقام ہے ایک رہگذر کا، ہماری منزل عدم نہیں ہے

فدائیان جنونِ الفت، غمِ انکی دنیا، غم اُن کی جنت
تلاشِ صحرائے ہو ہے انکو، ہوائے باغِ ارم نہیں ہے

یہ مطلعِ نور ہے مرا دل یہاں نہیں قیس کوئی محمل
مرے اشارے پہ وہ حسیں ہے نگاہِ لیلیٰ کا رم نہیں ہے

زمیں ہے اک لوحِ دردِ پیہم فلک بیاضِ کشیدۂ غم
جریدہ ایسا کہاں ہے جسمیں مرا فسانہ رقم نہیں ہے

نظر کی ہر سرسری سی جنبش خیال کی ہر لطیف لرزش
رقم ہوئی جا رہی ہے ایمن، اگرچہ کوئی قلم نہیں ہے

(۶)

جمال بے نقاب ہو، نقاب پھر نقاب ہے
نہ ہو حجاب درمیاں حجاب پھر حجاب ہے

ابھی نہ ہوش کھو مرے ہے اشتیاقِ دید ابھی
نہ دیکھ چشمِ مست سے، شراب پھر شراب ہے

نہ جلوۂ خموش ہو، سوال ہوں جواب ہوں
سوال کا جواب دے، جواب پھر جواب ہے

جہاں کی سیر اور تُو ہے نسبتِ حباب و جُو
جو دیکھنا ہے دیکھ لے حباب پھر حباب ہے

نہ ہوگا وصلِ یار شیخ، روزہ و نماز سے
وہ انتہائے عشق ہے کتاب پھر کتاب ہے

کہاں وہ چشمۂ کرم کہاں ہوس فریبیاں
کہ آب جو ہے آب جو، سراب پھر سراب ہے

بشر کی ہے بساط کیا، ترا اشارہ ہے فنا
بدل نہ چشمِ عفو کو، عتاب پھر عتاب ہے

خطائیں تیری ہوں معاف، اگر ہو دل سے اعتراف
کریم بے نیاز کی، جناب پھر جناب ہے۔

اس انجمن کا میں ہوں ساز، الہٰی تو ہے خوش نواز
جو زخمہ زن ہو زخمہ زن، رباب پھر رباب ہے

اس ایمنِ تباہ کے نہ گن گناہ اے کریم
نہ کر سکے گا عفو تو، حساب پھر حساب ہے

(۷)

وہ نگاہِ طور ہی جلوہ گر ہے لباسِ حسنِ مجاز میں
یہ ہے درمیاں جو حجاب سا، ہے نگاہِ اہلِ نیاز میں

تری جستجو کو قیام ہے تو وہ حسنِ خاص کبھی عام ہے
تجھے وہ حقیقتِ مضطرب بیقیں ملے گی مجاز میں

نہ تری طرف رُخ یار ہو، سرِ عشق ہے تو نثار ہو
وہ روا ہے حلقۂ ناز میں یہ بجا ہے راہِ نیاز میں

لبِ شکوہ سنج کو بند کر، تو نوائے درد بلند کر
وہ اُتر کے آئیں گے عرش سے یہ اثر ہے سوز و گداز میں

وہی سوز ہے وہی ساز ہے وہی حسن و عشق کا راز ہو
نہ ہو خم کہیں سرِ ناز میں نہ ہے چیں جبینِ نیاز میں

جسے عشق کہتے ہیں اے بسمل، جو ہے رازِ حسن سے باخبر
وہ مثالِ نغمہ چھپا ہوا ہے تری حیات کے ساز میں

تری اوجِ حسن پہ ہے نظر، ہے کمالِ عشق سے بےخبر
نظر آرہا ہے نیاز ہی کا فسوں یہ صورت ناز میں

وہ حسین آپ حسین تھا، کیا حسن عشق نے یا عطا
یہ جو ناز روزِ ازل سے تھا وہ ابھی ہے پردۂ راز میں

جو تھے ایک ذات ہیں ذات سے ہوئے حسن و عشق صفات سے
یہ احد میں رہ کے خموش تھے کھُلے آکے راز و نیاز میں

تجھے ہے نجات کی جستجو، گذر اس سے اے دلِ رند خو
ترا فرض بیعتِ عشق ہے، تو پڑا ہوا ہے نماز میں

جو نظر ہو ایمنِ زار پر، تو دعائیں اِسکی ہوں بارور
یہ اثر، یہ زور یہ سحر ہے، ترے لطفِ بندہ نواز میں

(۸)

ترے رُو برو ہے وہ حُسنِ کُل اُسے دیکھ جو تجھے تاب ہے
کہ رُخِ منوّرِ ذات پر نہ نقاب تھی نہ نقاب ہے

جو نگاہِ شوق ہے جلوہ بیں تو نہ پردہ ہے نہ حجاب ہے
ہے کلیم حسنِ طلب اگر تو سوال ہی میں جواب ہے

مجھے ساقیِ الفتِ عام دے، نہ یہ بادہ تا خطِ جام دے
کہ عطائے خاص ہے جو سبُو، یہ اسی سبو کی شراب ہے

یہ ہے دردِ عشق کا میکدہ، ہے یہاں خرد بھی جنوں زدہ
جو خراب ہے وہ ہے ہوش میں، ہے جو ہوش میں وہ خراب ہے

دل وجاں سے دیر پرست ہوں، کہوں کیا کہ مست الست ہوں
مرا دین جادۂ کفر ہے، رُخِ یار میری کتاب ہے

نہ فریبِ دیدہ وراں میں آ، نہ فسونِ حسنِ جہاں میں آ
یہ قرارِ نقش بر آب ہے، وہ قرارِ موجِ سراب ہے

جو کشش ہے حسنِ مجاز کی، جو طلب ہے عمرِ دراز کی
نہ اُلجھ تو ان کی نمود میں وہ طلسم ہے یہ سراب ہے

طرب و نشاط کے گیت گا، کہ غمِ حیات کی دھن سنا
ترے ہاتھ مطربِ خوش سرا، مری زندگی کا رباب ہے

تجھے کیا کہ ایمنِ نذار کے ہیں فزوں گناہ شمار سے
تری رحمتوں کا بھی اے خدا! نہ حساب تھا نہ حساب ہے

(۹)

حرم سے دَیر اور پھر حرم تک تلاش میں بار بار آیا
کہیں نہ تھا میرا قلب حاضر، نہ دیکھنے میں وہ یار آیا

خرد کے حلقے میں جب سے آئے گیا شکیبِ انتشار آیا
سکوں کو ہم نے جنوں میں پایا قرار کھو کر قرار آیا

خلش میں سوفارِ غم کی پنہاں ہے رازِ راحت کا اس چمن میں
جو گُل سرِ شاخِ نرم پہنچا، وہ لیکے پہلو میں خار آیا

ملا جنھیں رازِ عشق و عرفاں انھیں ہے ہر نقش نقشِ جاناں
سمجھ کے مصورِ قامتِ یار شوق سے سوئے دار آیا

کفن بدوشوں کا ہے یہ میداں یہاں کہاں کار بوالہوس کو
کہ مقتلِ یار میں جو آیا وہ سر بکف جاں نثار آیا

بشر ہے ایماں عطائے سلطاں یہ عجز کر اس کو نذرِ سلطاں
ہزار قالب پہ ہاتھ تیرے یہ گوہرِ شاہوار آیا

اِسے سمجھتے رہے حقیقت، مگر تھی بے اعتبار دُنیا
اجل یقینی تھی لیکن اِس کا جب آ گئی تو اعتبار آیا

جسے بصد منّت و سماجت نہ دیکھ سکتا تھا میں حرم میں
وہ بت نظر آیا بالمقابل جو دیر میں ایک بار آیا

کھڑا ہے عِصیاں کو لے کے ایمن اشارۂ عفو ہو الٰہی
کہ تیرے در سے گیا نہ خالی جو صِدق سے ایکبار آیا

(۱۰)

سُویدا میں ہی دل کے روئے جاناں دیکھ لیتے ہیں
ہم اکثر کفر کے پردے میں ایماں دیکھ لیتے ہیں

غمِ جاناں میں آنسو تک نکلنے جو نہیں دیتے
وہ ہر قطرے کی پہنائی میں طوفاں دیکھ لیتے ہیں

بہاریں کروٹیں لیتی ہیں غنچوں کے تبسّم میں
جو ہیں اہلِ نظر گل میں گلستاں دیکھ لیتے ہیں

وہ از خود رفتۂ الفت ما خدا و بندہ کیا جانیں
جو لامحدود تک جَدِّ گریباں دیکھ لیتے ہیں

شبِ فرقت خطِ کاواک جب بجلی بناتی ہے
ہم اپنے دل کی بیتابی کے عنواں دیکھ لیتے ہیں

جو توشہ کام آئے آخرت میں ساتھ لیتا جا
سفر کرنے سے پہلے لوگ ساماں دیکھ لیتے ہیں

نہ سائے کے تعاقب میں ملا کچھ اہل دنیا کو
تری رفتار اے عمرِ گریزاں دیکھ لیتے ہیں

لئے رہتے ہیں سینے میں شعاعِ طور وہ ذرّے
جو وسعت وحشت کی صحرا کا داماں دیکھ لیتے ہیں

خطا سے درگذر کرتے ہیں وہ محشر میں جب اے تنؔ
طرفدارِ عمل اعجازِ عصیاں دیکھ لیتے ہیں

(۱۱)

مستور سات پردوں میں اے جانِ جو تو نہ ہو
اہلِ طلب کو اتنی تری جستجو نہ ہو

اس کو عروجِ شوق کہوں یا جنوں کہوں
دھوکہ ہے مجھ کو عکس پہ اپنے کہ تو نہ ہو

ساقی پرست ہوں نہ ہوں بادہ پرست ہم
اس کی ہو چشمِ مست شرابِ سبو نہ ہو

✓ ہے انتہائے دید کہ ہوں جلوہ خموش
وہ سامنے ترے ہو مگر گفتگو نہ ہو

محمل میں ترے دل کے جو لیلےٰ ہے پردہ پوش
مل جائے تجھ کو قیس تو یوں کُو بہ کُو نہ ہو

بخشے عطائے ظرف اگر ساقیٔ الست
میخانۂ حیات میں یہ ہاؤ ہُو نہ ہو

آخر کہاں سے آئیں یہ حُسن آفرینیاں
پردے میں کوئی کارگہِ رنگ و بُو نہ ہو

تیری نمازِ عشق نہ ہو گی کبھی قبول
ایمن جو پہلے دیدۂ تر سے وضو نہ ہو

(۱۲)

کرمکِ شوخ جل گیا، شمعِ مزار بجھ گئی
آتشِ حشرِ حُسن و عشق، سلسلہ وار بجھ گئی

گرم نوائیاں تری قلبِ تپاں نہ کم ہوئیں
شعلۂ گل فرو ہوا، بانگِ ہزار بجھ گئی

غنچے کے دل میں آگ تھی، ہنگئی حسنِ گل وہی
نورِ بہار بڑھ گیا، نارِ بہار بجھ گئی!

تفتگیٔ فراق سے جل گیا پردۂ خیال
ہجر میں یہ امید بھی اے شب تار بجھ گئی

آتشِ شوقِ دید اور یاس و امید کی ہوا
سینکڑوں بار جل اٹھی سینکڑوں بار بجھ گئی

قتل گہ حبیب میں لطفِ قتیل بڑھ گیا
انکی ہوئی جو چشم تر، تیغ کی دھار بجھ گئی

لیلیٰ حسن پردہ دار گردشِ فتیں ہے کہاں
بند ہے شورشِ جنوں حسرتِ خار بجھ گئی

حسن تھا جس سے نور ریز، عشق تھا جس سے حشر خیز
یعنی وہ زندگی کی لَو، آخرِ کار بجھ گئی

ساغرِ بادۂ کرم، اب بھی لئے ہے رحمتیں
تشنگیٔ گناہ کیوں، اے مَن زار بجھ گئی

(۱۳)

وہ آساں کوش ہیں مشکل کو جو مشکل سمجھتے ہیں
کہ طوفاں آشنا ہر موج کو ساحل سمجھتے ہیں

رگِ بسمل کے رقصِ خاص کو بسمل سمجھتے ہیں
یہ وہ خود رفتگی ہے جس کو اہلِ دل سمجھتے ہیں

وہ جلوہ اس تجلی گاہ دل کا ایک پرتو ہے
جسے قیسِ مجازی لیلیٰ محمل سمجھتے ہیں

تماشائے چراغِ طور خود ہوتے ہیں پروانے
یہ رازِ محفلِ خلوت ، سرِ محفل سمجھتے ہیں

خبردارِ دو عالم ہیں بظاہر گو یہ ہیں غافل
وہ خود غافل ہیں جو ہشیار کو غافل سمجھتے ہیں

جسے ہم دائرہ کہتے ہیں اک توسیع مرکز ہے
محیطِ قطرہ کو ہم بحر کا حاصل سمجھتے ہیں

نہ قاتل ان کو قاتل ہے نہ خنجر ان کو خنجر ہے
وہ بسمل ہی نہیں جو یار کو قاتل سمجھتے ہیں

وہ رکھ لیتے ہیں ان کو دامنِ مژگاں میں چن چن کر
جو ان اشکوں کو کشتِ درد کا حاصل سمجھتے ہیں

کرم ہے ، ہو ستم یا ہو کرم ، خود کو تو ہم ایمن
نہ اُس قابل سمجھتے ہیں نہ اِس قابل سمجھتے ہیں

(۱۴)

نوٹ:۔ اس غزل میں طنزِ ملیح کے رنگ میں نئے اور پرانے زمانے کا تقابل سماج کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر کیا گیا ھے

وہ سیف زن نہیں مگر وہ سیف رانیاں تو ہیں
زبانِ میرِ بزم پر وہی روانیاں تو ہیں

نہیں ہے بزمِ رفتگاں، مگر نشانیاں تو ہیں
دلِ حزیں، تپ و فغاں، شرر فشانیاں تو ہیں

کلام تو نہیں رہی کلیم کی پیمبری
تجلیاں نہیں سہی وہ لن ترانیاں تو ہیں

تھی قدرِ اہلِ دل جہاں، ہے قدرِ اہلِ زر وہاں
نہ ہوں وہ قدردانیاں مگر یہ قدردانیاں تو ہیں

نہیں وہ عزمِ کوہ شکن کہاں وہ دستِ تیشہ زن
نہ شیریں ہے نہ کوہکن، مگر کہانیاں تو ہیں

جواں تھے نفس کُش جہاں وہاں ہیں نفس کوشیاں
نہ اب جواں ہیں وہ جواں مگر جوانیاں تو ہیں

وہ یارِ مہرباں نہیں، دلوں میں گرمیاں نہیں
وہ قولِ مثلِ جاں نہیں ہوں خوش بیانیاں تو ہیں

نہیں عطائے رہبری، فقط ہے شوقِ مرشدی
نہ ہو عصائے موسوی، مگر شبانیاں تو ہیں

کہاں وہ بزم سرمدی کہاں یہ اپنی نارسی
مگر اک آہِ سرد کی، نوا رسانیاں تو ہیں

نہ عندلیب رنج کر کہ عہدِ گل گیا گذر
وہ نغمے ہوں نہ ہوں مگر یہ نوحہ خوانیاں تو ہیں

ہے امینؔ ایک بے نوا یہ مانا لیکن اے خدا
اسے کلام تر دیا، یہ مہربانیاں تو ہیں

(۱۵)

نہ کلیمِ طورِ جمال بن، نہ جواب سن نہ سوال بن
تو سرورِ ذات میں محو رہ جو بنے تو صاحبِ حال بن

نہ کمالِ ماہِ ہلال بن، نہ زوالِ ماہِ کمال بن
چمک آسمانِ جمال پر تو شعاعِ مہرِ جمال بن

دل ناشناسِ رہِ طلب، نہ رکابِ دارِ نمود ہو
نہ بتِ مجاز کی زُلف بن، نہ رُخِ مجاز کا خال بن

تو عقابِ اوجِ دوام ہے ترا بستیوں میں ہے کام کیا
نکل آشیانِ جمود سے دمِ برق سے پر و بال بن

وہ زمانہ یعنی وصال کا نہ مفارقت میں بھلا اسے
اُسی عہدِ عیش کی یاد بن اسی وقتِ خوش کا خیال بن

سرِ بزم، کر رکِ شمع گرد کی جراتوں پہ نگاہ کر
تو جہانِ عشق و وفا میں ہمتِ عاشقی کی مثال بن

نہ بہارِ حسن کو کھلا سکے نہ جسے خزاں ہی جلا سکے
جو بنے تو باغِ حیات میں غمِ جاوداں کا نہال بن

یہ وہ کارگاہِ حیات ہے جہاں زندگی ہے جفاکشی
کبھی پہلوان ہو ہملے تو کبھی جبرئیل کا بال بن

تیری آب و گل کو مناسبت ہے دبی ہوئی سی آگ سے
تو شرابِ خانۂ درد و سوزِ دروں کا جامِ سفال بن

تجھے مقدرت ہے اگر بشر، تو کسی کے درد میں کام آ
تو سوالیوں کا جواب بن کبھی خود نہ دستِ سوال بن

جو ازل سے ابھی پُر خطا ہے گنہ کو عفو سے واسطہ
رہِ راست اتریں گی رحمتیں تو شر دتی کی مثال بن

(۱۶)

میری نادہر کا ہونا میری تدبیر نہ تھا
سانس لینا بھی بجز ہہلتِ تقدیر نہ تھا

بڑھ گئی بات تعین سے من و مائی کے
اے بشر ورنہ تو مستوجبِ تعزیر نہ تھا

ہر عمل کو فرض سمجھ واسطہ ثمر سے نہ رکھ
اور ترک اس کے سوا ترک کا تفسیر نہ تھا

اسکی بنیاد بگولوں پہ ہے آثار میں برق
دل کا ویراں کدہ شرمندۂ تعمیر نہ تھا

خوگرِ رنج ہوں نالوں سے مجھے کیا مطلب
ذوقِ تسلیم مرا قائل تاثیر نہ تھا

انکی تشہیرِ تغافل کا مرد لیے ہے بوجھ
اے جنوں خوف گراں باری زنجیر نہ تھا

عین حق، عین خبر، عین سکوں تھا اس دَم
عالمِ ذات تھا جب عالمِ تصویر نہ تھا

زندگی خواب تھی ہوش آیا یہ مرتے مرتے
شاکی ہوش تھا میں شاکی تعبیر نہ تھا

کھینچ ہی لایا انھیں عرشِ بریں سے آخر
نارسا اتنا مرا نالۂ شب گیر نہ تھا

تجھ کو رحمت ہوئی حاصل ہیر محشر اکمن
قائل عفو تھا میں قائل تدبیر نہ تھا

(۱۷)

سرِ جنوں ہے تو سحرِ خیال پیدا کر ۔۔۔ سوادِ قلب میں لیلیٰ جمال پیدا کر
کمالِ جذب ہے تو یہ کمال پیدا کر ۔۔۔ دلِ حبیب میں اپنا خیال پیدا کر
نقابِ چہرہ وہ تیار ہیں اٹھانے کو ۔۔۔ اٹھا سکے گا نظر، یہ مجال پیدا کر
کسی کے درد میں کام آ کسی کے دل کی سُن ۔۔۔ جہانِ عشق و وفا میں مثال پیدا کر
نہ ترکِ حسنِ توکل کر اے دلِ ناداں ۔۔۔ سیاہ بختی میں تقدیرِ غال پیدا کر
اُلجھ نہ ماہ رخانِ جہاں کے مضموں میں ۔۔۔ مذاقِ عشق مئے بے زوال پیدا کر

کریم عفو لیے ہے ترے لیے آمین
خلوصِ دل سے فقط انفعال پیدا کر

(۱۸)

نہ مجھے اِدھر کی تلاش ہے نہ مجھے اُدھر کی تلاش ہے
یہ تلاش سب دلِ بے خبر، دلِ بے خبر کی تلاش ہے
ہے ازل سے دل میں مقیم تو، تری بھول ہے تری جستجو
کوئی جستجو ہے یہ جستجو، مجھے اپنے گھر کی تلاش ہے
رہی درمیاں جو دوئی تو کیا، جو نظر نہ ایک ہوئی تو کیا
نہ ہوا امتیاز نگاہ میں، مجھے اُس نظر کی تلاش ہے

دلِ دیر ہے جو کسی کا در، درِ کعبہ پر ہے کسی کا سر
جو تمام ہو دونوں کا آستاں، مجھے ایسے در کی تلاش ہے

یہ ہے خود حجاب تری خودی، ترا نام ہے تری گمرہی
تو خود آپ اپنا ہے رہنما، تجھے راہبر کی تلاش ہے؟

تو ہے شیخ طالبِ زاہدی، مری دستگیر ہے بے پری
میری بے پری کا مرے بال و پر، تجھے بال و پر کی تلاش ہے

جو گلوں کے حسن میں ہے عیاں، دلِ عندلیب میں ہے نہاں
جو ہے کارگاہِ جہاں کی جاں مجھے اُس شرر کی تلاش ہے

جو خزاں میں خفتہ ہیں شورشیں، وہی حشر و نشرِ بہار ہیں
یہ وہ رازِ فطرتِ غیب ہے جسے دیدہ ور کی تلاش ہے

یہی ایک راز ہے تہِ گلِ نو دمیدہ کا اے سحر
کہ پیامِ غنچہ کو گل کدے میں پیامبر کی تلاش ہے

تجھے ہمنشیں ہے اس آب و گل کے طلسم میں غمِ برہمی
مجھے اس کے نقش و نگار میں کسی کوزہ گر کی تلاش ہے

رہے اس کی رحمتِ عام پر ہی نگاہِ ایمنِ منفعل
یہی ایک دامنِ خاص ہے جسے اشکِ تر کی تلاش ہے

(۱۶)

بتائیں کیا ہم نشیں تجھے کیف بادۂ جلوۂ مکیں کے
ملا ہے جب سے یہ جام ہمکو رہے نہ دنیا کے ہم نہ دیں کے

کلیم سے پوچھ اے طلب کوش لطف دیدار بے طلب کا
سوائے ہاں کچھ نہ منہ سے نکلا غضب کے تیور تھے اُس ہنریں کے

نیاز کی یہ تجلیاں ہیں حریم کو بھی طلب ہے جن کی
کہ آستانوں کے آستاں ہیں جو نقش سجدہ ہیں اِن جبیں کے

کمال ہے سرزمین الفت، نہ جانا اِس کی فتادگی پہ
لئے ہیں مہرِ فلک کی تابانیاں جو ذرے ہیں اِس زمیں کے

حریم ہو یا صنمکدہ ہو، ہیں کفر و دیں کے حجاب دونو
یہ پردے آنکھوں سے اُٹھ گئے جب تو بالمقابل تھے اس حسیں کے

ہے قلب سی پارہ پاس میرے نہیں مجھے حاجتِ تلاوت
کہ میرے دل کے ہر ایک ٹکڑے پہ نقش ہیں رُوئے دلنشیں کے

کرم ہے ایسا جو میرے ساقی نے مجھ کو بخشا ہے ساغرِ غم
کہ اس کے ہاتھوں سے یہ ہلاہل مجھے برابر ہے انگبیں کے

---

(۲۰)

بعدِ دیدِ یار ہم بے خود نہ ہو جائیں گے کیا
ہم نشیں پھر شیشۂ ہستی سے پلوائیں گے کیا

باغِ رضواں ہے یہی رندوں کو دنیائے الست
سامنے اس کے کبھی رضواں کو وہ لائیں گے کیا

زندگی فانی ہے کرلیں خدمتِ انساں کا کام
ہے یہی بس ہم یہاں سے اور لیجائیں گے کیا

میری وحشت جوش پر آئی ہوئی ہے اے بہار
خارہائے دشت پر بھی گل نہ کھل آئیں گے کیا

شعلہ ہائے آہ میرے بڑھ رہے ہیں دم بدم
بڑھ کے ہفت افلاک تک اس کو نہ لیجائینگے کیا

تیز کر اور اے ستمگر بخششِ آلام و غم
ورنہ تیرے مبتلائے عاشقی کھائیں گے کیا

کھل گیا مجھ پر فریبِ جعلسازی حواس
زندگی میں یہ مجھے کانٹوں میں الجھائیں گے کیا

حشر کا دن ہے مقرر عاصیوں کے واسطے
ایمنؔ عاصی وہاں بخشے نہیں جائیں گے کیا!

(۲۱)

ستارے منتظر ماہِ پُر ضیا خاموش
نیاز و ناز کا ہے اِک معاملہ خاموش

عجب ہے جذب میں اُلفت کا سلسلہ خاموش
وہ آ گئے جو ہوئی آہِ نارسا خاموش

گلوں کا خندہ، خرامِ نسیم، رقصِ بہار
ہے اس حسینۂ فطرت کی ہر ادا خاموش

نفس کا قافلہ منزل پہ اپنی جا پہنچا
ہے بے صدا جرس، آوازۂ درا خاموش

فروغِ گل نہ سہی، رنگِ لالہ زار سہی
نہ عندلیب ہو لیکن تری نوا خاموش

گلوں کا رنگ بنا بلبلوں کا گیت بنا
رہا خزاں میں جو فطرت کا ولولہ خاموش

نظامِ شمس و قمر چل رہے ہیں حیرت ہے
بشر یہ سلسلہ، پھر سب یہ سلسلہ خاموش

یہاں تو ایک ذرا سی زمین کا ساکن
اُٹھاتا حشر ہے، رہتا نہیں ذرا خاموش

دکھائے کون خرد کو رہِ جنوں اے قیس
چراغِ رہ گذرِ عشق ہو گیا خاموش

خموشیاں یہ ہلا دیں گی رحمتوں کے سکوت
تری شکست کی اے دل رہے صدا خاموش

نگاہِ عفو میں ہر اشک ہے گہرِ آئین
یہ انفعال کا میرے ہے ارتقا خاموش

(۲۲)

شمسِ تبریز کی کھال کھنچی منصور سپردِ دار ہوئے
جب طالب ہی باقی نہ رہے تم حسن کے دعویدار ہوئے

یوں اپنی قدریں کھوئی ہیں یوں حسن کو طشت از بام کیا
لینے جو آگ گیا کوئی ، تم خود ہی جلوہ بار ہوئے

اِس بادہ خانے میں یوں تو مے بھی مینا بھی ہر ساقی
بخشا ہے لیکن ظرف جنھیں وہ خوش قسمت میخوار ہوئے

غفلت تھی بادہ مستی تھی ، کچھ کہہ دو ، نفس پرستی تھی
وقت آیا قبر میں سونے کا اب جا کر ہم بیدار ہوئے

کچھ عاشق وصل کے بھوکے تھے، کچھ تشنہ جنوں کے چھالوں سے
مٹ کر وہ گلوں کا ہار بنے یہ صحراؤں کے خار ہوئے

جینا ہے صورت پروے کی مرنا ہے پروے کا کھلنا
تاروں ہی کا یہ جامہ تھا، اس جامے کے بکھر تار ہوئے

گرداب میں بحرِ ہستی کے، دانش و ردانش بھول گئے
جب راہ بنا و تسلیم ہوئی تو بیڑے اُن کے پار ہوئے

دیر و کعبہ کے معبودوں کی صورت ایک نظر آئی
مربوط اِک رشتے سے دونو جب تسبیح و زنّار ہوئے

جب یاس تجھے گھیرے اکمن، رکھ آس اُس اُوپر والے کی
جسکی رحمت کی بارش سے خارستاں بھی گلزار ہوئے

(۲۳)

دست کش ہوں نہ مئے کُل کے خوش آشام ابھی
کہ لیا لب ہیں مے و مہر کے دو جام ابھی

ذہن میں ساقی ہے، مئے خانہ ہے، ہے جام ابھی
ہوش کہتا ہوں اسے، ہوش کا کیا کام ابھی

مجھ کو درکار نہ ہے کفر نہ اسلام ابھی
سیدھے سیدھے ہی چلے آتے ہیں پیغام ابھی

تو بھی باقی، تیری رحمت بھی ہے باقی ساقی
رہنے دے، ہے مرے عصیاں سے بڑا کام ابھی

خال و گیسو سے ہے یہ سلسلۂ راز و نیاز
دانہ صد دانہ ہو یہ دام ہو صد دام ابھی

زیست کے خواب کی تعبیر ابھی باقی ہے
ابتدا دیکھ چکے، ہے مگر انجام ابھی

رہروِ عشق، ابھی دور ہے معراجِ حبیب
رشکِ منزل نہ ہوا راہ میں ہر گام ابھی

ذرّہ ذرّہ ہے اک آتش کدۂ نورِ کلیم
دیکھ اگر تو نہ ہو آتش زدۂ بام ابھی

امتیازِ 'من و تو' رازِ خفی ہے لیکن
خاصگاں کے لئے کہتا ہوں سرِ عام' ابھی (ق)

عکس کو زعم ہے بے مثلیٔ رنگ و بو کا
طرفہ یہ ہے کہ مقابل ہے وہ گلفام ابھی

راز گوئی تیری ایمن ہے گناہِ اکبر
مانگ لے عفو کہ اس کا ہے کرم عام ابھی

(۲۴)

حسنِ مبیں محیط ہے ظرفِ نظر تو ہو
ہے طور ذرّہ ذرّہ، کوئی دیدہ ور تو ہو

اسرارِ عشق کا ہے کوئی جلوہ گر تو ہو
ہے حسن کا تقاضا کہ ذوقِ نظر تو ہو

ہے گنجِ معرفت کی ترے ہاتھ میں کلید
اے بے خبر کہیں تجھے اپنی خبر تو ہو

مجھ سا نیاز مند ہو تجھ سا ہو بے نیاز
یارب اس آستاں کے مقابل کا سر تو ہو

صبح و مسا رہیگا تماشائے حسنِ یار
چشم اپنی شمع خانۂ شمس و قمر تو ہو

پھر بندہ و خدا میں رہے گا نہ امتیاز
جسکی سرشت میں نہ ہو شر وہ بشر تو ہو

ہر شمع شمعِ طور ہے، ہر بزم بزمِ نور
پروانے کا سا قلب میں پیدا اثر تو ہو
امید یاس دیدہ، بر آئے گی لا محال
پیدا انہماکِ آہ میں کوئی ثمر تو ہو
دل اپنا کعبہ ہوگا، پھر اپنا طواف طوف
ہر آستاں ہو دیر، صنم ہر حجر تو ہو
جائے کہاں یہ چھوڑ کے اب تیرا آستاں
ایمن سے بے نوا کے لئے کوئی در تو ہو

(۲۵)

جو غور سے یہ چمن زارِ رنگ و بو دیکھا
تو حسنِ عین کو در پردہ رو برو دیکھا
بہ قدرِ ظرف نظر آئی بخششِ ساقی
بہم جو رابطہ ساغر و سبو دیکھا
پکار اٹھا وہیں قیس نجد انا لیلیٰ
جو اپنی شکل میں لیلیٰ کو ہو بہو دیکھا

یہی ہے شرطِ وفا داغ دل چھپائے رہے
ہمیشہ لالے کو ظاہر میں خندہ رُو دیکھا

نشاں مکان و زماں کے ملے بہ حدِّ خودی
بڑھے جو اِس سے تو آگے مقامِ ہُو دیکھا

خزاں میں دیکھ لے بُلبل کی آنکھ سے گُل کو
نہ ہو کسی نے اگر خونِ آرزو دیکھا

نصیب ہوتے ہیں جلوے ہزار کاوش سے
اسی سے سینۂ مشرق لہو لہو دیکھا

خَم آستاں پہ ہے با چشمِ ترسرِ تسلیم
یہی نماز ادا کی، یہی وضو دیکھا

عروجِ عشق میں وہ بھی مقام ہے اکین
خود اُس حسین کو جب وقفِ جستجو دیکھا

(۲۶)

(بتقلیل یک قافیہ)

بزیرِ چرخ ان وفا پرستوں پہ نت نئے ظلم و جور ہوں گے
کریں گے یہ حسن قدرِ وفا ہیں جفاؤں کے وار اور ہوں گے

وفا پرستی ہے اپنا شیوہ، ہے اپنا آئین سرفروشی
قدم بڑھا کر ہٹیں جو پیچھے وہ ہم نہیں کوئی اور ہوں گے

ازل سے ہیں جاں نثارِ الفت رہیں گے تا حشر سر بکف ہم
وہی جو ہم تھے وہی رہیں گے جو اور ہوں گے وہ اور ہوں گے

وہ شعبدہ گر دکھا رہا ہے ہمیں تماشے بدل بدل کر
جو صبح تھے اور اور جلوے وہ شام کو اور اور ہوں گے

اجل یہ بانگِ دہل پکاری تماشہ گاہِ جہاں میں آ کر
گیا شباب اور آئی پیری ہنوز نیرنگ اور ہوں گے

ازل کے راحت کدے سے کیوں آتے اس جہاں کے الم کدے میں
کسے خبر تھی وہاں کے کچھ تھے یہاں کے کچھ طور اور ہوں گے

حسین جلووں کو دیکھ لو اک نگاہ بھر کر جہاں والو
نہ ہوں گے وہ وہ، نہ ہوں گے ہم ہم، وہ اور ہوں گے ہم اور ہوں گے

یہ بزم ساقی رہے گی بعد از اجل یونہی بے زوال ایمن
مئے کہن جامِ نو میں ہوگی سرِ دگر دور اور ہوں گے

---

(۲۷)

(ساقی کی ردیف میں دس مطلع)

تری شراب میں ہے سرمدی اثر ساقی
جنھوں نے پی وہ اِدھر سے ہوئے اُدھر ساقی

کشید ہے یہ کہاں کی ہئے نظر ساقی
جو بے خبر سے ہوئے خوب باخبر ساقی

ملی ہے تیری نظر سے مری نظر ساقی
پلائے جا کبھی کہ ہے ظرف دیدہ ور ساقی

تُرا ہے سیلِ کرم آج جوش پر ساقی
ذرا قیام کہ صحبت ہے مختصر ساقی

نشے میں اس کے ہے کونین کی خبر ساقی
مئے دو آتشہ ہے وہ تری نظر ساقی

تری ہے چشمِ کرم کیمیا اثر ساقی
کہ مشتِ خاک کو بخشی ہے قدرِ زر ساقی

کسی کے جلوۂ عُریاں پہ ہے نظر ساقی
جنوں رہے مرا اے کاش پردہ در ساقی

ہوں منتظر یں ادھر، منتظر اُدھر ساقی
مقام یہ کہ ہُوں بے ہوش، بے خبر ساقی

سب ایک جام کا صدقہ ہے خشک تر ساقی
سراب میرے لئے ہیں یہ بحر و بر ساقی

یہ رِند اور مکافات کی خبر ساقی
کسے دماغ یہ ساقی کسے یہ سر ساقی

لٹائے جانے کو ہیں آج کس پہ یہ گوہر
کہ دُر بکف ہے جو امیںؔ کی چشمِ تر ساقی

(۲۸)

بہ غور دیکھا جو مخفی ہے کائنات میں بات
کہ نکتے نکتے میں نکتہ ہے بات بات میں بات

خدا کی دین ہیں جلوے، نہ کر تلاش انھیں
کلیم جیسوں کی بنتی ہے ایک بات میں بات

جنوں میں چاک کیا میں نے جیب و دامن کو
کسی کی مجھ سے چلی قیسؔ پر جو بات میں بات

مئے الست چڑھا گر ہے نکتہ میں زاہد
بڑھا نہ بات نکلتی ہے ورنہ بات میں بات

زباں سے شورِ انا الحق نہیں روا منصور
خودی کے ساتھ خدا ہے یہ کوئی بات میں بات

میں ہمکلام ہوں اُن سے خموش حضرت شیخ
کہ ہوگی سوء ادب آپ کی یہ بات میں بات

یہ کیسی پرسشِ اعمال، بندۂ مجبور
ہوئے ہی جاتی ہے ان سے اب ایک بات میں بات

طلب جو کرنا ہو اُس آستاں سے کر ایمنؔ
یہی ہے نکتوں میں نکتہ یہی ہے بات میں بات

(۲۹)

حیات و موت کے پیچیدہ سلسلے سے نکل
نجات و بند کی بندش کے مخمصے سے نکل

درآئے منزلِ حق دے رہی ہے تجھ کو صدا
ہوس کے دشت میں گمراہ قافلے سے نکل

ترے لئے ہے حقیقت کی شاہراہ کھلی
فسونِ عشقِ مجازی کے مرحلے سے نکل

تو خود خدا و خدائی کا عین مرکز ہے
خدا و بندہ کے محدود دائرے سے نکل

جنوں کی راہ لے، ایمان و کفر میں نہ اُلجھ
جو گمرہی میں پھنسنا ہے تو راستے سے نکل

کتابِ عشق سے لے درس انہماکِ صحیح
شعور و عقلِ غلط بیں کے مدرسے سے نکل

جحیم و خار کو اک جامِ سرمدی میں ڈبو
سقر کی آگ سے کوثر کے میکدے سے نکل

کھلی فضاؤں میں جا، لامکاں میں کر پرواز
فلک کے کہنہ نشاں، ہفت منزلے سے نکل

سراغ دارِ تماشا، نہ خود تماشا بن
جہاں ہے شعبدہ گر، اس کے شعبدے سے نکل

جمالِ عین ہے اے شیخ، کعبۂ دل میں
تصورِ حور کے موعودہ بت کدے سے نکل

ازل سے مست مئے بےخودی ہوں اے آمین
ہزاروں حشر گئے میرے سامنے سے نکل

(۳۰)

تم آتے کاش کبھی سامنے ہمارے بھی
کلیم کو تو کیئے طور پر اشارے بھی

نہ ہوں گے شکوہ بہ لب آفتوں کے مارے بھی
سروں پہ اُنکے جو چل جائیں غم کے آرے بھی

طلب کہاں کی مجھے، میرا عشق ہے خوددار
اشارہ جو ہیں مرے حسن کے ادارے بھی

سرشاخ خون ہے زندان خیر آشیاں کی نہیں
ملے ہیں قطرۂ باراں میں کچھ شرارے بھی

مری نگاہ میں ہے وہ حریم ناز جہاں
طواف میں ہیں، مہ و مہر بھی، ستارے بھی

یہاں ہے منع لبی پاسدار جلوۂ خاص
دلوں میں جلوے بھی ہیں، ضبط کے اشارے بھی

محیطِ عشق ہے غرقاب ہیں یہاں من و تو
کہ ڈوب جاتے ہیں سیلاب میں کنارے بھی

نہ لائے لب پہ شکایت یہی ہے شرطِ وفا
صعوبتوں میں جو انسان دن گذارے بھی

مجاز میں ہیں حقیقت کے نقش عکس فگن
یہ عکس شیشۂ دل میں کوئی اُتارے بھی

سُلجھ سکے نہ کسی طور سے خمِ تقدیر
یہ گیسو شانۂ تدبیر سے سنوارے بھی

وہ دستِ غیب بڑھائے ہوئے ہے اے امینؔ
ادھر سے ہار کے اُس کو کوئی پکارے بھی

(۳۱)

حجاب والوں سے وہ بے حجاب ہو نہ سکا
وہ سامنے تھا مگر بے نقاب ہو نہ سکا

وجودِ خاک کا انساں خطاب ہو نہ سکا
یہ ذرۂ غیرِ کرم، آفتاب ہو نہ سکا

کرم وہ طُور پہ، اک بے نیازِ جلوہ پر
وہ بے نیازی تھی جس کا جواب ہو نہ سکا

اٹھا کے پردہ چھُپا کثرتِ تجلّی میں
وہ بے نقاب ہُوا، بے نقاب ہو نہ سکا

تمام عمر رہے دیکھتے حیات کے خواب
ہماری آنکھوں میں یہ خواب خواب ہو نہ سکا

رہی فریبِ تصوّر یہ رفتنی دُنیا
سراب جیسے کبھی جوئے آب ہو نہ سکا

ضمیر ظاہر و باطن سے ہو گیا آگاہ
خرابِ بادۂ عرفاں خراب ہو نہ سکا

مرے کریم نے بخشا اسی بہانے سے
مرے گناہوں کا جب کچھ حساب ہو نہ سکا

ابھی کمی ہے ترے ذوقِ عشق میں ایمنؔ
لہو ہوا ترا آنسو، شراب ہو نہ سکا

---

(۳۲)

خلوص چاہیئے ہو دَیر یا حرم پہ نگاہ
رہے رہے دلِ کفر آشنا صنم پہ نگاہ

ستم کبھی اس کا کرم ہے کرم کبھی اُس کا کرم
کرم سمجھ کے رہے یار کے ستم پہ نگاہ

قبول سجدۂ عاشق ہو اک اشارے میں
جو اس حسیں کے رہے ابروؤں کے خم پہ نگاہ

یہ تیری کم نظری سے ہے اضطرابِ غم
سکونِ دل ہو اگر ہو سکونِ غم پہ نگاہ

جو آشنا ہوئے بیگانے غم نہیں اے دل
نہ ہو کسی کی رہے ایک اُس کی ہم پہ نگاہ

چمن چمن ہیں نہاں خار، باغِ ہستی میں — روش روش
نہ اُلجھے دامنِ دل رکھ قدم قدم پہ نگاہ

صراطِ عشق ہے اے بوالہوس کدھر ہے خیال
نہ جم سکے گی دمِ تیغِ تیز دم پہ نگاہ

خیالِ بت میں خدا سے مجھے یہ نسبت ہے
کہ دل میں ہے مرے دَیر اور ہے حرم پہ نگاہ

تو آفتاب ہے یہ دھوپ چھاؤں ہیں اے روح
نظر یہ آیا جو کی ہستی و عدم پہ نگاہ

نگاہ ساقی پہ ہے جام و خُم سے کیا مطلب
نہیں ہے اہلِ قناعت کی بیش وکم پہ نگاہ

نمود نام و نشاں سے ہے بے نیاز امینؔ
کریم جب سے ہے اسکی ترے کرم پہ نگاہ

(۳۳)

عشق سے تھا جو بے نیاز وہ بھی ہے بیقرار کچھ
اپنا اثر دکھا گیا دیدہ اشکبار کچھ

حسن بہ صد حجاب تھا تیرے نصیب تھے کلیم
خلوتِ طور دیکھ کر ہو گیا جلوہ بار کچھ

زندگی مستعار ہے دیدِ جہاں گریز پا
اِس کا نہ اعتبار کچھ، اُس کا نہ اعتبار کچھ

ذوقِ سلیم ہے اگر طرب و غم سے ساز رکھ
دیں گے یہی نویدِ دستِ سازِ الم کے تار کچھ

منزلِ عشق ہو سکی حکمت و عقل سے نہ طے
جلوہ گہہ حبیب تک پہنچا تو انکسار کچھ
گل کو بچائے جا رہی بادِ صبا ہے خاک سے
دورِ خزاں ہے سامنے دھوکے میں ہے بہار کچھ
دشتِ فنا میں قافلے ایسے چلے گئے کہیں
بانگِ جرس نہ ہی کوئی باقی نہ ہے غبار کچھ
غایتِ عشق سوز ہے حسن ہے اس میں سازگار
عاشقِ شمع تھا جہاں اب ہیں وہاں شرار کچھ
ہو گی دعائے ' درگذر ' کاش سنے تو اے کریم
کہہ تو رہا ہے زیرِ لب ایمنِ اشکبار کچھ

(۴۳)

اِس آنکھ سے وہ نورِ منوّر نہ دیکھ، دیکھ
اے دل تو اپنے ظرف سے بڑھ کر نہ دیکھ، دیکھ
حسنِ مجاز اور ہے، حسنِ حقیقت اور
جلوے کو جا بجا ہ گر کے برابر نہ دیکھ، دیکھ

درماں کو جان درد سے بہتر نہ چارہ ساز
راحت کو لطفِ غم سے فزوں تر نہ دیکھ، دیکھ

رُوئے مجاز بھی تو ہے آخر تری تراش
لغزش کو بت پرست کی بت گر نہ دیکھ، دیکھ

تو ساقیِ کریم ہے دریا دلی دکھا
میری فتادگی، مقدّر نہ دیکھ، دیکھ

ہر پھول مے فروش ہے ظرفِ نگاہ اُٹھا
ذوقِ طلب میں وسعتِ ساغر نہ دیکھ، دیکھ

کعبے میں ہے وہی، ہے وہی نُور دیر میں
جلوے کو دیکھ سُوئے رُخِ در نہ دیکھ، دیکھ

اے بوالہوس، حواس پرستی ہے اک سراب
آبِ رواں کا ریت میں عُنصر نہ دیکھ، دیکھ

عظمت ہے اے کریم اسی میں کہ بخش دے
ایمنؔ کے تو گناہ کا دفتر نہ دیکھ، دیکھ

---

(۳۵)

خود آئیں اُن کو جو ہو مجھ سے وضعِ دار کا پاس
طریقِ عشق میں ہے مجھ کو انتظار کا پاس

یہ شوق کا ہے تقاضا اُٹھا دوں پردۂ در
مجھے تو رکھنا ہے لیکن حریمِ یار کا پاس

تجھے رہے دلِ تسکین پسند' ناز سکوں
نثارِ عشق کا جوہر ہے اضطرار کا پاس

درشت و نرم کا دنیا میں ربط ہو ایسا
کہ جس طرح ہے گلستاں میں گل کو خار کا پاس

کشید کی ہے مئے سرمدی اسی کے لئے
ازل سے ساقی کو ہے رندِ بادہ خوار کا پاس

مراسم گل و بلبل ابھی نہ ہوں برہم
جو رکھ سکے کوئی دن اے خزاں بہار کا پاس

جو چاہے اور زبوں کر دے میرا حالِ زبوں
مجھے ہے جبر کا تجھ کو ہے اختیار کا پاس

بنائی جا نہ سکے ان سے کچھ قبائے خرد
جنوں میں مجھ کو ہے جامے کے تار تار کا پاس

ہر اشک تُلتا ہے مثلِ گہُر بوقتِ عطا
یہاں تک اس کو ہے اِس چشمِ اشکبار کا پاس
نہ روزِ حشر سے کر خوف اے امینؔ عاصی
کہ اس کریم کو ہے ہر گناہ گار کا پاس

(۳۶)

رہِ حیات میں شام و سحر ہے آمد و رفت
بنائے زندگیٔ رہ گزر ہے آمد و رفت
قرار کیسے ہو پیشِ نظر ہے آمد و رفت
جہان کہتے ہیں جس کو بشر ہے آمد و رفت
نہ کر شکایتِ مہلت مُسافرِ ہستی
سفر سفر ہے، نشانِ سفر ہے آمد و رفت
دوام سلسلۂ صبح و شام اور سکوں؟
تمہارے واسطے شمس و قمر ہے آمد و رفت
جمود موت ہے، حرکت ہے زندگی کا نشاں
نفس کی جسم میں آٹھوں پہر ہے آمد و رفت

حیات سے بھی کوئی شے عجیب ہے اے دل
اجل کے در پہ جو یہ اِس قدر ہے آمد و رفت
نہ کیوں طالب ہو اجل کی حیات سے بڑھ کر
اُدھر سکوں ہی سکوں ہے، اِدھر ہے آمد و رفت

حیات جھوٹ، غلط موت، رُوح بے جنبش
سراسر ایک فریبِ نظر ہے آمد و رفت
نصیب والوں کا در بند ہو نہ اے امکین
کہ وجۂ عزت و توقیرِ در ہے آمد و رفت

(۳۷)

کہیں اگر وہ برق طور اگر ہو خندہ زن کھپر سے
مِٹے سب تیرگی دل کی ہو روشن انجمن کھپر سے
گل تر، باعثِ افشائے رازِ رنگ و بو نکلا
نہ کھلتا باغباں اے کاش غنچہ کا دہن کھپر سے

صبا پھونکے جو رازِ خود شناسی ان کے کانوں میں
نہ نافہ کے لیے بھٹکیں یہ آہوئے ختن کھپر سے

خزاں کی دست بُردِ رنگ و بو سے مضطرب کیوں ہے
بہار آئے گی اے بلبلؔ چمن ہوگا چمن پھر سے

فرشتے سجدہ کرتے تھے کبھی، اب ننگ ہستی ہوں
مرے قالب میں بھر دے رُوحِ نو چرخِ کہن پھر سے

بھلا ہو ضبط، رکھ لی آبرو پلکوں نے اشکوں کی
صدف میں آگئے گویا یہ دُرہائے عدن پھر سے

رموزِ عاشقی جو حضرتِ منصور پا لیتے
انا الحق کہہ کے آئین کیوں نہ ہوتے نعرہ زن پھر سے

(۳۸)

جلوۂ ساقی سے میخانہ کہاں ہے ہوش میں
دیکھتے ہی رہ گیا ساغر کفِ مے نوش میں

ساکنانِ عرش بہہ جاتے ہیں اِس کے جوش میں
کتنے طوفانِ اثر ہیں جذبۂ خاموش میں

درد میں ہے مجھ کو حاصل اک سکونِ کیف زا
چارہ گر اکسیرِ بے ہوشی مِلا دے ہوش میں

سوزِ دل بڑھنے نہ پائے آنکھ تک اے ضبطِ غم
آگ بھڑکا دے گا یہ اس خانۂ خس پوش میں
چکے چکے میں پئے جاتا ہوں الفت میں سرشک
ہیں بلا کی گرمیاں اِس آتشِ خاموش میں

رنج و راحت ایک سے ہیں مجھ کو مثلِ خار و گل
مادرِ گیتی نے پالا، اِن کو اک آغوش میں
عاقبت بر پشت یہ ہے، عاقبت بر دوش وہ
فرق یہ ہے ایک منعم، ایک خرقہ پوش میں

سختیوں میں پرورش پاتے ہیں اہلِ رنگ و بو
گل پلا کرتے ہیں اکثر خار کی آغوش میں
اے کریم ابنِ کے عصیاں آج کر اس کے سپرد
تیرا دریائے کرم لہرا رہا ہے جوش میں

(۳۹)

شیشۂ دل نے مرے ایسی جِلا پائی کہ بس
اس حسیں کی اِس میں وہ صورت نظر آئی کہ بس

پردہ در پردہ، اُدھر وہ جلوہ فرمائی کہ بس
قلبِ مضطر کی اِدھر یہ ناشکیبائی کہ بس

دل نے وحشت میں حدیں سر باین و آں کی توڑ دیں
اے جنوں وہ پاؤں میں زنجیر پہنائی کہ بس

ہو گیا عاشق تصور میں ترے، تیری شبیہ
ایک حالت تھی جو اس پر اس قدر چھائی کہ بس

روح قالب سے نکل کر تجھ سے واصل ہو گئی
دُور افتادہ کو تیری یاد کیا آئی کہ بس

ہو گیا دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر
چشمِ ساقی نے کچھ ایسی مجھ کو پلوائی کہ بس

میں ہوں خود وحدت کہ یہ احساسِ وحدت ہے مجھے
کیا بتاؤں ہو گئی اب اتنی تنہائی کہ بس

جو خدا تھا سامنے کی چیز وہ چھپتا گیا
اس طرح حائل ہوئی آ کر من و مائی کہ بس

آگہی کا حلقۂ تسخیر سے ہے ہم گریز
سعیٔ ناکامِ خرد کی عرش پیمائی کہ بس

پوچھ میری چشمِ جُزرس سے کمالِ حُسنِ کل
مجھ کو کثرت میں نظر آئی وہ یکتائی کہ بس

تیرے سجدے ہو گئے اب آستاں سے بے نیاز
ایمنؔ اتنا ہو گیا اَوجِ جبیں سائی کہ بس

(۴۰)

ازل سے دیکھتے آئے ہیں گُل کے ساتھ خار ابتک
نہ دیکھی گلشنِ ہستی میں بے کھٹکے بہار ابتک

وہ نورِ طور تیرے سامنے ہے جلوہ بار اب تک
دلِ بے آگہی تو خود رہا ہے پردہ دار اب تک

بہاریں آکے رخصت ہو گئیں بازارِ امکاں سے
ترے محوِ تصوّر کی ہے آنکھوں میں بہار ابتک

جنوں آغازِ وحشت سے ہے یہ اَوجِ جبیں سائی
کہ نقشِ ریگِ لرزاں بھی مجھے ہے پائے یار اب تک

ذرا کروٹ بدل کر دیکھ مستِ خوابِ بیداری
ازل سے تھا جو پہلو میں وہی ہے ہمکنار ابتک

جبیں اُس آستانِ ناز سے باتیں کیا کرتی
نہ پہنچا اُس بلندی پر ہمارا انکسار ابتک

ہوا جب سے ہے ربطِ جام و مینا لطفِ ساقی ہے
مئے عرفاں کا رندوں کے لئے ٹوٹا نہ تار اب تک

ہوا پر، اور یہ تعمیرِ ہستی ایک دھوکا تھا
جو تھا بے اعتبار اُس پر مرا تھا اعتبار ابتک

یہ عصیاں کوش ہیں جب سے وہ عصیاں پوش ہیں آمین
نہ آیا ان کی گنتی میں کبھی روزِ شمار اب تک

(۱۴)

طلب ہے دل کو غمِ ہوش سے رہا کر دوں
سپردِ حلقۂ زنجیرِ دستِ دیا کر دوں

نہ کیوں سفینے کو طوفان آشنا کر دوں
خدا پہ چھوڑ دوں، آزادِ ناخدا کر دوں

نمازِ عشق عقیدت سے جو ادا کر دوں
تو قلب قبلہ نما کو خدا نما کر دوں

کہا یہ شمع نے پروانے سے بوقتِ وصال
فنائے وقت تجھے محترم بقا کر دوں

دلِ غنی نے مجھے کر دیا عطا اعجاز
نظر جو خاک پہ ڈالوں تو کیمیا کر دوں

ہو ذرّے ذرّے سے اے قیس شورِ اللیلیٰ
جو دشتِ نجد میں جا کر فقط 'انا' کر دوں

وہ نقش پائے رہِ شوق ہوں کہ بے منت
پڑے پڑے ہی مسافت کی انتہا کر دوں

ہو داب عشق میں شامل اگر غنائے جنوں
تو حسن و عشق کی محفل کو کیا سے کیا کر دوں

مجھے یقین ہے اس کی عطا پہ اے ایمنؔ
وہ بخش دے گا اگر کوئی میں خطا کر دوں

(۴۲)

فنائے عشق کو حاصل ہے اک بقا ہر وقت
بقا بھی وہ جو ہے پروردۂ فنا ہر وقت

گھرا ہوں موجِ ہوس میں یہ ہے دعا ہر وقت
خدا سفینۂ دل کا ہو نا خدا ہر وقت

ازل سے پردۂ درِ گل ہے وحشتِ بلبل
طریقِ عشق میں ہے ناروا، روا ہر وقت

ضیائے نور ہے یہ دل کے آئینے میں کلیم
کہ میرے سینے میں ہے طُور اک نیا ہر وقت

ضیا فشاں ہے پسِ پردۂ شعور کوئی
طلوعِ طبع یہ ہے آفتاب سا ہر وقت

حیات و مرگِ مسلسل کی ہے طلب عیسےٰ
کہ "قم بہ اذنی" کی آتی رہے صدا ہر وقت

مثالِ سبزۂ ہو بیگا نہ گر بہار کوئی
ہوا بدل کہ ہو بیگانہ آشنا ہر وقت

نہ بھول راہ میں، منزل کو یاد رکھ رہرو
نفس نفس پہ ہے بانگِ درا، درا ہر وقت

نگاہ مادرِ فطرت کی مصلحت پہ رہے
کہ شیر طفل سے پہلے کیا عطا ہر وقت

سکونِ دل ہے مرادورد، رنج و راحت میں
کسی کسی کو میسّر ہے یہ دوا ہر وقت
ملے نہ ایمنِ عاصی کو خلدِ اہلِ عمل
ہے اِس پہ سایہ فگن رحمتِ خدا ہر وقت

(۴۳)

پھر آج وہ نگارِ طور جلوہ بار یام ہے
مری نظر کلیم کی نظر سے ہمکلام ہے
تری وہ دشت گردیاں ہیں گرد میرے سامنے
کہ میرے نجدِ ہُو میں قیس، صبح ہے نہ شام ہے
اب اپنی سیر مستیاں رہینِ میکدہ نہیں
سرور ہی سرور ہوں، نہ بادہ ہے نہ جام ہے
جنوں میری زمیں ہے، بیخودی ہے میرا آسماں
مقامِ جبرئیل سے اُدھر مرا مقام ہے
یہ شوقِ بے پناہ اور جستجوئے بے اماں
جو ہفت خوانِ عشق ہے، وہ میرا ایک گام ہے

اُدھر ہے حسنِ علین تُو، اِدھر ہوں عشقِ علین ہیں
دوام ہے تجھے اگر تو مجھ کو بھی دوام ہے

کچھ ایسے رُخ سے دیکھتا ہوں صورتِ مجاز کو
میرے لئے نہ خالِ دانہ ہے نہ زلف دام ہے

بزمِ حسن گرم ہے، میری نوائے تیز سے
مرے بغیر نغمۂ حیات ناتمام ہے

الٰہی کر مدد کہ میرے پاس مہرِ این دآں
نہ عین، لام میم ہے نہ عین، میم، لام ہے

پیام بر ہے عشق کا، یہ ایمنِ جنوں پرست
جنونِ عشق زندہ باد، اس کا یہ پیام ہے

(۴۴)

جو نہ مجھ سے تیری ساقی رہِ التفات ہوتی
تو نہ کائناتِ مستی مری کائنات ہوتی

تجھے رنجِ عشق ملتا تو مجھے تھا گنجِ راحت
جسے لوگ موت کہتے وہ مری حیات ہوتی

وہ 'خطا' پہ ملتی 'جنت' جو 'عمل' کے نام لکھدی
یہ ہے اور بات زاہد، وہ کچھ اور بات ہوتی

رہے قید آرزو میں، کھتی یہاں کی یا وہاں کی
جو نجات اِس سے ملتی تو کہیں نجات ہوتی

تری یاد جس میں ہوتی ترا قرب جس میں ملتا
اسی دن کو دن سمجھتے وہی رات رات ہوتی

یہی ہے ثبوتِ دنیا، کہ ہے آج، کل نہیں ہے
نہ یہ بے ثبوت ہوتی نہ یہ بے ثبات ہوتی

کہاں نشرِ رنگِ فطرت، کہاں حشرِ حُسن و الفت
جو صنم کدے نہ ہوتے تو خدا کی ذات ہوتی

تو خطا پر اپنی ایمنؔ کبھی منفعل تو ہوتا
تجھے بخش دیتی رحمت جو یہ ایک بات ہوتی

(۴۵)

جلوہ خو و نور بھی ہے پردۂ تنویر بھی ہے
چشمِ بینا میں وہ روشن گر تصویر بھی ہے

شوق جو شانہ کشِ زلفِ گرہ گیر بھی ہے
اب میں سمجھا کہ مرے پاؤں کی زنجیر بھی ہے

دیکھتے آئے ان آنکھوں سے جو ہم خواب ہے اب
اِس سے بڑھ کر کوئی اس خواب کی تعبیر بھی ہے

سات پردوں سے کھچے آئیں گے اے جذبۂ عشق
دل میں ہے زورِ طلب آہ میں تاثیر بھی ہے

مرحبا عشق و جنوں، معجزۂ بند و نجات
غم سے آزاد بھی ہوں پاؤں میں زنجیر بھی ہے

عقلِ تدبیر اگرچہ ہے عطائے خالق
یہ حقیقت ہے کہ تقدیر میں تدبیر بھی ہے

گرچہ مشکل ہے بہت عشق کو پنہاں رکھنا
اس عمل میں ہی مگر حسن کی تسخیر بھی ہے

کچھ ترے وصف میں طائر ہی نہیں نغمہ سرا
چشم روشن ہو تو ہر برگ پہ تحریر بھی ہے

چپکے چپکے مجھے آتے ہیں نظر اُن کے جواب
میری خاموشی میں ایک پہلوئے تقریر بھی ہے

درگذر امینؔ عاصی کی خطاؤں سے کریم
بیتر ابندہ ہے جو وہ بندۂ تقصیر بھی ہے

(۴۶)

ایڈیٹر نگار نے سات قافیے منتخب کرکے بھیجے تھے کہ اس بحر میں ان قافیوں کو استعمال کرکے شعر لکھے جائیں۔ گوہر، خنجر، سربر۔ مکرر، اکثر، بہتر، ستمگر = (۷ عدد)

جانِ منظر پس منظر ہے، منظرِ خود منظر ہو نہ سکا
جو محوِ نقشِ صورت ہے ہرگز دیدہ ور ہو نہ سکا

معصوم اشکوں کی گوہریں ہوتا ب مگر تاثیر کہاں
جو آب ملی اِن اشکوں کو اس آب کا گوہر ہو نہ سکا

ہوتا جو فنائے عشق کہیں معراج وہیں ملتی موسیٰ
احسانِ برقِ دیدہ ہوا، احسانِ خنجر ہو نہ سکا

بھٹکا کوہکن کوہساروں میں مجنوں نے چھانے ویرانے
سودا در سر، تیشہ بر سر، کوئی عشق سے سر بر ہو نہ سکا

فریاد و فغاں، تسلیم و رضا، وہ حرفِ دگر یہ حرفِ دگر
اک حرف مسلسل حرف رہا، اک حرف مکرّر ہو نہ سکا

وہ عرشِ بریں پر ہو آئے، تم ان سے زمیں پر آ ملتے
عاشق وہ اکثر کر گذرے، تم سے یہ اکثر ہو نہ سکا

انسان فرشتہ ہو جائے، انسان خدا تک جا پہنچے
جس وقت انسان انسان ہوا اور اس سے بہتر ہو نہ سکا

ہر جام کی حد مستی تھی، ہر خوش بھی تھے بدمست بھی تھے
تھی صہبائے چشمِ ساقی، جس سے کوئی جا بر ہو نہ سکا

سب جور و ستم ہیں لطف و کرم امین ہے ذوقِ عشق ترا
گو اس کو ستم گر کہتے ہیں لیکن وہ ستم گر ہو نہ سکا

(۴۷)

جاں کو سفر ہے تو اسے زادِ سفر بھی دے
اک عمر دے چکا ہے اِدھر کچھ اُدھر بھی دے

پردے اٹھا رہا ہے تو تابِ نظر بھی دے
دل حاملِ جمال ہو، اتنا جگر بھی دے

چشمِ نیاز میں ہوا لہٰی سرشکِ تر
ایسا صدف دیا ہے تو ایسا گہر بھی دے

ساقی کے اب ہیں دور مسلسل عجب نہیں
بے ہوش کر رہا ہے تو اپنی خبر بھی دے

افتادگی سے ملتے ہیں دانے کو برگ و بار
شائد فتادگی ہی تجھے بال و پر بھی دے

صحرائے ہُو میں ذرّے کو ہے دشت کی تلاش
ذرہ نہ ہو جو دشت تو کوئی خبر بھی دے

دنیا کی فکر، سیرِ مجازی، خدا کی یاد
اتنا فراغ زندگیٔ مختصر بھی دے

ہر برگِ گل ہے ایک حدیثِ نیاز و ناز
لیکن کسی کو وہ نگہ دیدہ ور بھی دے

امینؔ ہے پاس عشق تو توفیقِ آہ مانگ
اب اس کا یہ کرم ہے کہ اِس میں اثر بھی دے

---

(۴۸)

دیر و کعبہ کی جو شمعوں سے دکھائی نہ گئی
وہ تجلی نگۂ دل سے چھپائی نہ گئی

دل میں جب بیٹھ گیا نکتۂ تسخیر نیاز
پھر جبیں اپنی ترے در سے اٹھائی نہ گئی

چُن دیئے جامِ ہوس خانۂ دنیا نے تمام
تیرے مستوں کی مگر سیر نگاہی نہ گئی

بے نیازی کرم نے تیری بخشا وہ سکون
منّتِ استدعا ہم سے اٹھائی نہ گئی!

بت پرستی سے مری بندگی ہوگی نہ حقیر
بت بنانے سے اگر تیری خدائی نہ گئی

بجھ گئی تشنگیٔ خارِ مغیلاں لیکن
اے جنوں آرزوئے آبلہ پائی نہ گئی

مل سکا سیرِ تمناء کو کوئی مثلِ کلیم
طور پر آگ وہ دوبارہ جلائی نہ گئی

حیرت مانی و بہزاد ہے تصویرِ حیات
مٹ گئی بن کے مگر مٹ کے بنائی نہ گئی

کس طرح جلوہ نما ہو گا وہ آئینہ جب تک
معصیت خانۂ باطن کی سیاہی نہ گئی

(۴۹)

پاس ہے دُور سمجھنا ہے اُسے دُور نہیں
اے کلیم آنکھ کے تل میں ہے سرِ طور نہیں

کر دوں فرقِ "من و تو" دُور یہ کچھ دُور نہیں
داب الفت کا اشارہ ہے کہ منظور نہیں

خونِ عاشق سے نگاریں ہے سراپائے نیاز
قصۂ دار و رسن فقط منصور نہیں

آپ لیتے ہیں تغافل سے یہ کیوں جذب کا کام
میں ہوں مجبور مگر آپ تو مجبور نہیں

کعبہ و دیر کی شمعوں سے تجھے کیا مطلب
یہ اُجالے ہیں فقط، دل میں اگر نُور نہیں

قرب ہے "کن" کے معنی سے جیسے اس کے لئے
کاوشِ حشر نہیں، دغدغۂ صُور نہیں

مجھ کو در در کی جبیں سائی سے آزاد کیا
ذلتِ ایمنؔ عاصی اُسے منظور نہیں

(۵۰)

اے بندہ و بندہ اور خدا، وہ یاد رہا یہ بھول گئے
افکار خطا، اقبال عطا، وہ یاد رہا یہ بھول گئے

یا الفتِ حق کے دعوے تھے یا عشقِ دنیا ہے تم کو
اِک دورِ ہوس، اِک عہد وفا، وہ یاد رہا یہ بھول گئے

باطن کا نغمہ کون سنے، ظاہر کے شور و شیون میں
باہر کا غل، اندر کی نوا، وہ یاد رہا یہ بھول گئے

اس ہوش کی باتوں میں ہم نے دامانِ جنوں ہی چھوڑ دیا
اک خود گمراہ، اک راہ نما، وہ یاد رہا یہ بھول گئے

اسکی مرضی پر گر چلتے کیوں ہوتا یہ نفسی نفسی
پندارِ خودی، خالق کی رضا، وہ یاد رہا یہ بھول گئے

زالِ دنیا کے غمزوں میں پیمانِ عشق نہ یاد رہا
اک لفظ دغا، اک حرف وفا، وہ یاد رہا یہ بھول گئے

زاہد کے کبر سے بہتر تھا اقبال گناہوں کا کرنا
عفو عصیاں، اقرارِ خطا، وہ یاد رہا یہ بھول گئے

پڑھ کر افسونِ مجازی میں کیا رہتے قابلِ ایماں ہم
اک نامِ صنم، اک نامِ خدا، وہ یاد رہا یہ بھول گئے

ہو دین بھی فرض دنیا بھی ایمن ورنہ ہے بے معنی
وہ بھول گئے یہ یاد رہا، وہ یاد رہا یہ بھول گئے

(۵۱)

کیفِ سرمستی کو پوچھے کوئی سرشاروں سے
ہوش سیکھے تو خرابات کے ہشیاروں سے

آگہی رازِ حقیقت سے ہے سرمستوں کو
کون بہتر ہے خبردار خبرداروں سے

قالبِ بے جاں کو عطا کر دی حیاتِ دائم
یہ مسیحائی ملی عشق کے بیماروں سے

اپنے خرقے میں چھپائے ہیں یہ گنجِ مخفی
دولتِ سرمدی حاصل ہوئی ناداروں سے

جوئے شیر اِس دلِ سرگرم سے مانگی کس نے
پھر صدا تیشے کی آنے لگی کہساروں سے

توڑ کر عزمِ سزا روزہ الٰہی بخشا
یہ ادا تو نے اڑائی ہے گنہگاروں سے

دور ساحل سے ہے طوفاں میں میری کشتیٔ جاں
ناخدا کام چلے گا نہ سبک ساروں سے

تھا منا گو دیں اشکوں کو مرے شانِ کریم
طفلِ نازک ہیں ابھی نکلے ہیں گہواروں سے

عشق تاریخِ تاثر میں ہے از بس معروف
کم یہ افسانہ نہیں حسن کے شہ پاروں سے

زیرِ گردوں تیرے ہر قول کا ہے ردِّ عمل
بازگشت آتی ہے افلاک کی دیواروں سے

پُر ز معنی ہے کہ ہے حرفِ تہی تیرا کلام
ایمنؔ اِس بات کو پوچھے کوئی فن کاروں سے

(۲ ۵)

صرف اس کے ہی پرتوسے جانانہ ہے جانانہ
اے دیروحرم والو مستانہ ہے مستانہ

کیا یادسلف اے دل، دیوانہ ہے دیوانہ
تھی جب کبھی حقیقت اب افسانہ ہے افسانہ

وہ قلزم سرمستی، یہ ظرف ترا اے دل
خم خانہ ہے خم خانہ، پیمانہ ہے پیمانہ

ہے قیس کی قسمت میں معراجِ انا لیلیٰ
سب کہنے کو کہتے ہیں، دیوانہ ہے دیوانہ

یہ قیدِ قفس کب تک چل اپنے وطن اے جاں
زنداں تو ہے زنداں ہی کاشانہ ہے کاشانہ

ہے آب جدا گانہ تو بہ کے سرشکوں کی
ہر آنسو تو آنسو ہے، دُردانہ ہے دُردانہ

سُن پند ضمیر اے دل گو نفس ہے شیریں گو
اپنا تو پھر اپنا ہے، بیگانہ ہے بیگانہ

کعبے میں ترے زاہد ایک صورتِ ہو دیکھی
ہو جاتی ہیں باتیں بھی بتخانہ ہے بُت خانہ

اے قیس ترے دل میں لیلائے تجلی ہے
صحرا میں دھرا کیا ہے، ویرانہ ہے ویرانہ

ہمرازِ حقیقت ہے ہر رندِ خرابالی
ہر جام میں ہے جلوہ، میخانہ ہے میخانہ

تکلیف ہو یا راحت ہر حال میں خوش رہنا
اک فرض ترا امینؔ شکرانہ ہے شکرانہ

(۵۳)

الٰہی محشر میں بہرِ پُرسش جب ایک دربارِ عام ہوگا
مری بغل میں صراحی ہوگی زباں پہ تیرا نام ہوگا

نصیب تجھ کو نہیں یہ نعمت تو زحمتِ طور کر گوارا
یہاں تو ہوتے ہیں روز جلوے کلیم تجھ کو کلام ہوگا

نگہ رہے آسماں پہ تیری ہے طائرِ عرش آشیاں تو
نظر میں جس کی زمین ہوگی وہی گرفتارِ دام ہوگا

قبول کر مرکزِ حقیقت نہ امکاں لامکاں ہے اے دل
مجاز کے دائرے میں آ کر فضول پابندِ نام ہوگا

حریم کعبہ و دَیر دونوں ہیں قابلِ احترام لیکن
نزاع باہم کے ہوں نہ مرکز تو پھر دلی احترام ہوگا

تو تشنۂ زہد کا ہے طالب تجھے کہاں وجدِ جاودانی
جو رند مست مے مدام ہوگا وہ رازدارِ دوام ہوگا

شعور کہتے ہیں جس کو عاقل وہ روزِ محور بدل رہا ہے
جو آگیا جادۂ جنوں میں سکوں میں اس کا قیام ہوگا

نہ ہوں گی حل مشکلات امینؔ فضول سب کوششیں ہیں تیری
خدا سے امداد کی دعا کر، بغیر اس کے نہ کام ہوگا

تشریحات

غزل نمبر ۱

شعر نمبر ۱۔ "بود وہست" یعنی عدم اور وجود حقیقت نہیں بلکہ ایک شعبدہ ہیں اور عارف کی نگاہ میں یہ سب فریب دید ہیں

شعر نمبر ۴۔ یعنی ترک تعلق دنیا تو ہو گیا لیکن ابھی مشاہدۂ حقیقت نہیں ہوا۔

شعر نمبر ۱۲۔ "عالم ثبات" وہ عالم جو مکان و زمان سے دور ہے

شعر نمبر ۱۳۔ گناہ بشریت کا تقاضا ہے اور قابلِ عفو ہے لیکن عذرِ گناہ۔ گناہ کو قائم اور ناقابلِ تلافی کر دیتا ہے۔

غزل نمبر ۲

شعر نمبر ۱۔ "تیرا پردہ ہے تیری پردگی" یعنی تیرا پردہ رکھنا ہی اس حسینِ حقیقی کی راہ میں حائل ہے

شعر نمبر ۲۔ تیری چشم مست کی ہر نگاہ جام شراب کا اثر رکھتی ہے۔ اس کی تاثیر ہے جو دید کا اہل ہے وہ تو مست ہی ہے لیکن جو اہلِ دل ہے وہ تو ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔

شعر نمبر ۳۔ دوسرے مصرعے میں اس مقام کی طرف اشارہ ہے جہاں عاشق فنا فی المعشوق ہو جاتا ہے۔ جہاں نہ چاہ رہتی ہے نہ طلب رہتی ہے۔ پس سوال کون کرے اور جواب کون دے۔ یہ تو من و تو کی باتیں ہیں۔

غزل نمبر ۳

شعر نمبر ۲۔ "بوالہوسانِ جرعہ کش" لذّاتِ نفسانی کے عارضی نشے میں مبتلا۔

شعر نمبر ۴۔ دوسرے مصرعے میں "تشنۂ جام" سے مراد ہے تشنۂ جام عشق جس سے اسی زندگی میں بے خودی یا بہشتِ دوام حاصل ہو جاتا ہے۔

شعر نمبر ۵۔ "وہاں کا خرقہ پوش" راہ مولا کا فقیر درویش

شعر نمبر ۱۰۔ یعنی حسنِ حقیقی کے بندِ عشق میں "دانہ و دام" تکالیف ہوں تو مضائقہ نہیں۔ یہ شعر مجاز کے معنوں میں بھی ٹھیک ہے۔

غزل نمبر ۴

شعر نمبر ۱۔ ابھی تو عشقِ غم کی اس معراج پر نہیں پہنچا جہاں ستم کرم سمجھا جاتا ہے۔

شعر نمبر ۷۔ عدم ہماری معراج نہیں بلکہ ہماری رہگذر میں ایک مقام ہے۔ کیونکہ ہمارا جادہ زندگی ازل سے ابد تک ہے یعنی لافانی ہے۔ ہماری سے مطلب ہے عاشقانِ رہ حقیقت کی

شعر نمبر ۹۔ میرے دل میں میرے محبوب کا جلوہ ہے۔ شاعر قیس سے طنزیہ مخاطب ہے کہ یہاں محمل یا نگاہِ لیلیٰ کی توجہ اور کرم سے کوئی سروکار نہیں۔

غزل نمبر ۶

شعر نمبر ۴۔ شاعر کا تخاطب لفظ 'تو' سے دیکھنے والوں سے ہے جو جہاں کا سیر و تماشا کرنا چاہتے ہیں

شعر نمبر ۹۔ دوسرے مصرعہ میں دو دفعہ زخمہ زن ہے۔ پہلے زخمہ زن کے معنی اسم فاعل کے ہیں یعنی زخمہ لگانے والا مطرب۔ دوسرے زخمہ زن کے معنی فعل کے ہیں۔ یعنی اگر زخمہ لگانے والا اچھا زخمہ لگانے والا ہو جیسے کہ اے الٰہی تو بلا کا خوش نواز ہے تو میں چونکہ ساز ہوں یعنی رباب ہوں تو نغمے خوب بجیں گے یعنی اے الٰہی اگر تو اس سازِ جسم سے کام لینے والا ہو تو یہ دنیا میں بہت مفید اور نمایاں کام کر سکتا ہے۔

غزل نمبر ۷

شعر نمبر ۱۔ اہلِ نیاز جو جلوۂ حسنِ حقیقت دیکھنا چاہتے ہیں خود جھجکتے ہیں ورنہ دنیائے مجاز میں وہ حسنِ حقیقت ہر پھول ہر پتی ہر دریا ہر پہاڑ اور آفتاب ماہتاب ستاروں میں نمودار ہے۔

شعر نمبر ۲۔ وہ حقیقت جو طلبگارانِ حقیقت دیکھنا چاہتے ہیں اگر ان کی جستجو جاری رہے تو نگاہِ باطن کھلنے پر وہ مجاز میں ہی دیکھ لیتے ہیں۔ جادۂ طریقت و عشق کا یہی قاعدہ ہے

شعر نمبر ۸۔ داناؤں کے نزدیک یہ بات ابھی تک حل چاہتی ہے کہ حسن بالذات حسن ہے یا عشق نے اس کو یہ درجہ بخشا ہے بعض کہتے ہیں کہ حسن بالذات حسن ہے۔ دوسرے کہتے ہیں حسن بالذات حسن نہیں اس نے جب اپنے آپ کو دیکھنے کے لئے عشق کو اپنایا یا اس کو معرض ظہور میں لایا تو اس میں حسن کا احساس ہوا۔ یا صورتِ حجابی ظہور میں آئی۔ بہر حال یہ راز ابھی تک حل نہیں ہوا۔

شعر نمبر ۹۔ مسلہ ہے کہ وہ ذات حقیقت میں واحد یا احد تھی۔ جب صفات میں ظاہر ہوئی تو وہی اہلِ طریقت کے نزدیک ایک جانب حسن اور دوسری جانب عشق ہوئی یعنی حسن و عشق جو ذاتِ احد میں خاموش تھے۔ وہی عالمِ ظہور میں رازِ دنیا کے ہنگامے کی صورت میں کھل کر نظر آئے پس رازداروں کے نزدیک

دنیا کیا ہے۔ایک ہنگامۂ راز و نیاز

غزل نمبر ۸

شعر نمبر ۱۔ حسنِ حقیقت و مجاز۔"حسنِ کل"

شعر نمبر ۳۔"تا خطِ جام" جامِ شراب میں پہلے وقتوں میں خط لگے ہوئے ہوتے تھے۔ اور اُن خطوں تک شراب بھر کر پیش کی جایا کرتی تھی۔ اس شعر میں شاعر ساقی سے الفتِ عام کی شراب مانگ رہا ہے مگر کسی خطِ جام تک نہیں چاہتا بلکہ بے حساب اور بے اندازہ چاہتا ہے۔

غزل نمبر ۱۰

شعر نمبر ۵۔"خطِ کاواک" ٹیڑھے کج مج حروف۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب بجلی بہت تیزی سے چمکتی ہے۔ وہی وحشت زدوں کے دل کی بے تابی کی مثال ہے۔

شعر نمبر ۸۔ دشت کی وسعت اور صحرا کے داماں میں جو ذرّے پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ذرہ اہلِ نظر کے لئے اپنے سینے میں نورِ طور رکھتا ہے۔

غزل نمبر ۱۱

شعر نمبر ۷۔"نہ ہو" کی ردیف میں اس شعر نے جان ڈال دی ہے ملاحظہ ہو۔

غزل نمبر ۱۲

شعر نمبر ۱۔ کر کے شوخ پروانہ

شعر نمبر ۲۔"بانگِ ہزار"۔ بلبلِ ہزار داستان

شعر نمبر ۶۔"تیغ کی دھار بجھ گئی"۔ تلوار کی دھار اور تیز ہو گئی۔

غزل نمبر ۱۳

شعر نمبر ۲۔"رگِ بسمل کے رقصِ خاص"۔ عشقِ الٰہی کا رقصِ حال یعنی خود رفتگی، وارفتگی

شعر نمبر ۴۔"رازِ محفلِ خلوت"۔"رازِ محفلِ خلوت کیا ہے معشوق سے عاشق کا ایک ہو جانا یعنی رازِ محفلِ خلوت کو جان کر پروانے سرِ محفل چراغِ طور کے ہمسر ہو جاتے ہیں یعنی نور میں مل کر نور ہو جاتے ہیں۔

شعر نمبر ۶۔ جیسے دائرہ توسیع مرکز ہے۔ ایسے ہی مرکزِ دل کی توسیع کون و مکان ہیں۔

اور جیسے محیط قطرہ بحر کا حامل ہے۔ ویسے دل بھی جلوہ کل کا حامل ہے۔

غزل نمبر ۱۴

شعر نمبر ۱۔ عمل اور زبانی داخلہ۔ پرانے زمانے کا اصول عمل اور حال کا زبانی داخلہ

شعر نمبر ۲۔ بزم رفتگاں کی یاد میں آہ و فغاں

شعر نمبر ۳۔ پرانا پیرایہ کلام اور آج کل کی متفرقات

شعر نمبر ۴۔ پرانی قدریں اور نئی قدریں۔

شعر نمبر ۵۔ پرانے عزم اور آج کل کی نت نئی حکمت عملیاں!

شعر نمبر ۶۔ پرانے نفس کش جوان اور حال کے نفس پرست نام کے نوجوان

شعر نمبر ۷۔ پرانے حقیقی دوست اور آج کل کے زبانی دوست۔

شعر نمبر ۸۔ پرانے خداساختہ لیڈر اور حال کے خود ساختہ لیڈر

شعر نمبر ۹۔ پرانی روحانی اور عارفانہ مجالس اور اب نارسی یعنی اس بلندی تک نہ پہنچنے کی وجہ سے صرف آہیں یا چھوکی تقریریں۔

غزل نمبر ۱۵

شعر نمبر ۶۔ "گرد کاش شمع گرد" پروانہ۔ یعنی عشق و وفا کے امتحان میں جرأت کا سبق پروانے سے سیکھ

شعر نمبر ۷۔ غم جاوداں سے مراد ہے غم عشق جاوداں جو بہار و خزاں یعنی رنج و راحت میں ایک سا رہتا ہے۔

غزل نمبر ۱۶

شعر نمبر ۱ علماء کے دو فرقے ہیں۔ ایک وہ جو عالم امکان کی گرم بازاری کو کن یا مشیئت ایزدی میں شامل اور مخفی سمجھتے ہیں۔ دوسرا وہ جو تخلیق خالق میں سے انسان کو اپنے فعل کا مختار سمجھتے ہیں۔ یعنی ایک تدبیر کا مقام تقدیر کے حلقے میں رکھتے ہیں اور دوسرے تدبیر کو تقدیر پر قادر قرار دیتے ہیں۔ اس مطلع میں پہلے خیال کی تائید کی گئی ہے۔

شعر نمبر ۷۔ ذات صرف جس کو ویدانتی نرگن برہم بھی کہتے ہیں۔ تین ناموں سے یا اصطلاحوں

سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عینِ حق (ست) عینِ علم (چِت) عینِ سکون (آنند) عالمِ تصوریہ مجاز کو یا سگن ساکار کو کہتے ہیں۔

شعر نمبر ۸۔ مرتے مرتے یعنی دم آخر مجھے ہوش آیا کہ جس زندگی کو میں حقیقت سمجھے ہوئے تھا وہ خواب تھی، بس مجھے یہ شکایت نہیں کہ زندگی کیوں خواب ثابت ہوئی بلکہ مجھے اپنے ہوش سے شکایت ہے کہ پہلے خبر نہ ہوئی ورنہ میں دھوکے میں نہ رہتا۔

غزل نمبر ۱۷

شعر نمبر ۱۔ خال سیاہ ہوتا ہے مگر اس کی تقدیر اچھی ہوتی ہے کہ معشوق کے چہرے پر نمودار ہو کر اس کے حسن میں اضافہ کرتا ہے اور انتہا درجہ بڑھاتا ہے۔ اس تمثیل سے شاعر دل ناداں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تو سیاہ بختی میں حسن توکل پیدا کرلے تو اس سیاہ بختی میں تیری تقدیر تقدیرِ خال کی طرح امتیاز حاصل کرے گی۔

غزل نمبر ۱۸

شعر نمبر ۶۔ اس شعر میں خود سپردگی کے مسئلے کو صاف کردیا ہے یعنی اے زاہد تو اپنے اعمال پر نازاں ہو کر اس کو چاہتا ہے مگر وہ نہیں مل سکتا۔ برعکس اس کے میری بے کسی اور رحم کی دست گیری یہ میرے بال و پر ہیں اس لئے مجھے کچھ پرواہ نہیں۔

شعر نمبر ۹۔ پیامِ غنچہ، پیامِ رنگ و بو یعنی پنہاں کا ظاہر ہونا۔ اس کے لئے غنچہ، گلِ نو دمیدہ کی شکل اختیار کرتا ہے۔

غزل نمبر ۱۹

شعر نمبر ۱۔ شاعر کیفیتِ حال کو بیان کر رہا ہے۔ جلوۂ مبین، جلوۂ ظاہر، جلوۂ صفات

شعر نمبر ۲۔ کلیم کو جلوۂ طور بے طلب نظر آیا تھا۔ اسی کی طرف شاعر کا اشارہ ہے کہ اس جلوۂ طور کا رعب اس پر ایسا چھا گیا کہ باوجود جلوے کی آواز کے اے موسیٰ کیا تو نے مجھے نہیں دیکھا یعنی نہیں، موسیٰ اور کچھ جواب نہ دے سکا۔ سوائے اس کے کہ رب ارنی کہتا، یعنی اے رب میں نے تجھ کو دیکھا یعنی نہیں کے جواب میں سوائے ہاں کہنے کے چارہ نظر نہ آیا۔

شعر نمبر ۵۔ کعبہ اور بتکدہ ایک طرح کے حجاب اور پردے ہیں کہ جب تک طالب کو

ان دونوں میں فرق نظر آتا ہے، دیدار یار ممکن نہیں جب یہ پردے اٹھ گئے وہ حسین یعنی معشوق حقیقی سامنے نظر آنے لگتا ہے۔

غزل نمبر ۲۰

شعر نمبر ۱۔ یعنی بعد دیدار جب ہم بے خود ہو جائیں گے تو پھر ہم نشین شیشۂ ہستی یعنی حسنِ ظاہر یا حسنِ نمود کی شراب کیسے پلائیں گے یعنی وہ اِس کام میں ناکامیاب رہیں گے۔

غزل نمبر ۲۱

شعر نمبر ۱۔ فروغ گل۔ جوشِ بہار۔ رنگِ لالہ زار، لالہ داغدار ہوتا ہے۔ اِس لئے رنگِ حسرت پس شاعر کہتا ہے کہ ہر رنگ میں اے بلبل خاموش نہ ہونا چاہیے بہار ہو یا نہ ہو۔

غزل نمبر ۲۲

شعر نمبر ۲۔ واقعۂ طور کی طرف تلمیح اور طنز ملیح بھی۔

شعر نمبر ۷۔ جب راہِ نما تسلیم ہوئی بمعنی تسلیم و رضا

غزل نمبر ۲۵

شعر نمبر ۵۔ مکان و زمان حدِّ خودی یعنی حدِّ ہوش و حواس تک ہیں۔ ان سے آگے مقام ذات ہے جس کو مقامِ ہو کہتے ہیں۔

شعر نمبر ۹۔ عروجِ عشق یعنی مدارجِ عشق میں ایسا موقع آتا ہے جب معشوق عاشق کے پیچھے پیچھے پھرتا ہے۔

غزل نمبر ۲۸

شعر نمبر ۵۔ 'انا الحق' کے معنی ہیں۔ میں خدا ہوں پس 'میں' یعنی خودی باقی رہی۔ شاعر کا اشارہ ہے کہ خودی ہوتے ہوئے خود کا خدا ہونا ممکن نہیں۔

شعر نمبر ۶۔ میں یار سے 'ہم کلام' ہوں، پس اے حضرت شیخ اپنی معقولات کو بند کیجئے اور خاموش رہئے کیونکہ مقام وصل یا جمال میں معقولات و دلائل سوء ادب یعنی گستاخی ہیں۔

غزل نمبر ۲۹

شعر نمبر ۲۔ "منزلِ حق" حقیقت کی منزل

شعر نمبر ۴ - عرفانِ ذات کی طرف اشارہ

شعر نمبر ۶ - درسِ انہماک صحیح، درستِ مصروفیت کا سبق

شعر نمبر ۸ - ہفت منزلہ، ہفت فلک

شعر نمبر ۹ - سُراغ دار، راز کھولنے والا۔

غزل نمبر ۳۰

شعر نمبر ۳ - حسن کے ادارے یعنی حسنِ مجاز و حسنِ حقیقت

شعر نمبر ۴ - سرشکِ خوں یعنی بارش کے قطروں میں چنگاریاں۔

شعر نمبر ۷ - گویا 'من و تو' دو کنارے ہیں جو عشق کا سیلاب آنے سے ٹوٹ جاتے ہیں یعنی تفریق 'من و تو' اوپر کے مدارجِ عشق میں نہیں رہتی۔

غزل نمبر ۳۱

شعر نمبر ۹ - اہلِ دِل کے نزدیک عشق کے تین درجے ہیں۔ اوّل، جب عاشق معشوق کے تغافل یا مفارقت کی تکلیف سے متاثر ہو کر روتا ہے۔ دوئم۔ جب انہی حالات کے تحت وہ خون کے آنسو روتا رہتا ہے، خون کے آنسو بہاتا ہے۔ سوئم۔ جب عشق کی پختگی کی وجہ سے ان حالات کا اثر خراب ہونے کی بجائے یہ سب اس کے لئے گونہ کیف و مستی کا باعث ہوتے ہیں۔ شاعر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ عشق میں تو ابھی آخری مقام پر نہیں پہنچا جہاں آنسو شراب کا حکم یا تاثیر رکھتا ہے۔

غزل نمبر ۳۲

شعر نمبر ۴ - سکونِ غم، یعنی غم و دردِ محبت میں جو ایک قسم کا سکون ہوتا ہے جو محبت آشناؤں ہی کو معلوم ہے۔ شروع میں جو اضطراب ہوتا ہے وہ بعد میں سکون کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

شعر نمبر ۷ - 'دم تیغ تیز دم' یعنی راہ عشق بڑی کٹھن ہے۔ اس پر ہوس پرست نگاہ تک نہیں جا سکتے۔ چلنا تو کُجا۔

غزل نمبر ۳۳

شعر نمبر ۸۔ حقیقت یہ ہے کہ 'غایت' یعنی معراج عشق 'سوز' ہے۔ اس کے حاصل کرنے میں حسن مددگار ہے۔ جیسے شمع روشن کے گرد پروانوں کو قربان ہونے کا موقع مل گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں شمع کی لو نظر آرہی تھی۔ وہاں پروانوں کی جگہ کچھ چنگاریاں اڑ کر رہ گئیں یعنی عاشقوں کو غایتِ عشق 'سوز' حاصل ہو گیا۔

غزل نمبر ۳۴

شعر نمبر ۲۔ حسنِ مجاز نمود ہی ہے۔ اور یہ نمود حسنِ حقیقت کا پرتو ہے۔ پس حسنِ مجاز جلوہ ہے اور حسن حقیقت جلوہ گر۔

غزل نمبر ۳۵

شعر نمبر ۸۔ جنوں میں سچے جذبے کی پرکھ یہی ہے کہ عاشق کے جامے کا تار تار الگ الگ ہو جائے۔ اور یہی جامے کے 'تار تار' کا پاس ہے۔ شاعر کا اشارہ ہے کہ اگر جذبہ پورے جوش پر ہے تو جامے کا تار تار ایسا بیکار ہو جائے گا کہ 'خرد' یعنی عقل اس کی قبا نہ بنا سکے گی۔ عشق میں مجذوب کی حالت میں عقل اس سے کچھ کام نہیں لے سکتی اور وہ دنیا کے خیال سے بالکل بے کار ہو جاتا ہے۔

غزل نمبر ۳۶

شعر نمبر ۸۔ حیات جھوٹ یعنی فانی اور موت غلط۔ مسئلہ ہے کہ موت کے بعد زندگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور روح بے حرکت ہے۔ یعنی روح کہیں آتی جاتی نہیں موت جسم سے روح کے قطع تعلق کا نام ہے۔

غزل نمبر ۳۷

شعر نمبر ۳۔ کہا جاتا ہے کہ آہوئے ختن یہ نہ جانتے ہوئے کہ نافہ کی خوشبو اس کی ناف سے آتی ہے، تمام جنگل میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اس طرح عرفانِ حقیقت سے بے خبر انسان حقیقت کو اپنے قلب سے باہر تلاش کرنے کی کوشش میں زندگی بھر آوارہ و پریشان رہتا ہے۔

غزل نمبر ۳۸

شعر نمبر ۷۔ منعم یا دولت مند عاقبت برگشتہ ہوتا ہے۔ خرقہ پوش جو راہِ خدا

میں گداپانہ بسر کرتا ہے وہ عاقبت بر دوش ہے کیونکہ عاقبت کو علانیہ مانتا ہے اور اس کے لئے اپنا وقت زیادہ تر صرف کرتا ہے۔

شعر نمبر ۸۔ اہلِ رنگ و بو۔ نیک سیرت اور خوش خو انسان

غزل نمبر ۳۹

شعر نمبر ۳۔ جو 'این و آں' کی حدیں توڑ دیتے ہیں وہی مجذوب ہوتے ہیں۔ اور یہ الکفیں دنیا والے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر رکھتے ہیں۔ حدیں توڑ کر آزادی کی زنجیر پہننا ملاحظہ ہو۔

شعر نمبر ۷۔ ذات واحد کی تصور کی تنہائی میں شاعل کی یہی دو حالتیں ہوتی ہیں کبھی خود کو ذات واحد کا شاہد تصور کرنا اور کبھی خود کو ذات ہی جاننے لگنا۔

غزل نمبر ۴۰

شعر نمبر ۵۔ بیداری درحقیقت ایک سپنا ہے۔ برعکس اس کے جو لوگ اس کو حقیقت سمجھے ہوئے ہیں شاعر ان کو مست خواب بیداری کہہ کر پکارتا ہے

غزل نمبر ۴۱

شعر نمبر ۱۔ جب طالب کا دل ہوش یعنی قیل وقال کے پنجے سے رہا ہوگا تو اس پر کیفیت حال طاری ہوگی۔

شعر نمبر ۳۔ نمازِ عشق سے مطلب ہے عشق صادق سے عقیدت۔

شعر نمبر ۸۔ انتہائے جنوں میں ایک قسم کی مستی ہے جس میں باہر کی سمت تلاش معشوق کی ضرورت نہیں یہی 'غنا'، معشوق سے مستغنی کر دیتا ہے یہی حسن و عشق کی محفل کو الٹ پلٹ کر دیتا ہے۔

غزل نمبر ۴۲

شعر نمبر ۱۔ کیا زندگی میں اور کیا بعد از مرگ فنائے عشق کو نہ صرف بقائے دوام حاصل ہے۔ بلکہ ایسی بقا جو زندگی میں جذبۂ عشق و آشنائی سے تقویت پاتی ہے اور بعد از مرگ تذکرہ عاشق سے اور ہر وقت پروردہ فنائے خودی ہے۔